اندلس کا نجومی
رفیع الزّماں زبیری
مسعود احمد برکاتی
نونہال ادب

اندلس کا نجومی

مسعود احمد برکاتی

رفیع الزّماں صدیقی

جاگو جگاؤ

نونہال ادب

پیش لفظ

جس طرح ساری دُنیا کا اندھیرا ابھی ایک چھوٹے سے چراغ کی روشنی کو مٹا نہیں سکتا اسی طرح ایک اچھّی کتاب کے سامنے جہالت کے اندھیرے نہیں ٹھیر سکتے۔ تُم اچھّی طرح جانتے ہو کتاب اور عِلم کا ایک دوسرے سے گہرا تعلّق ہے۔ عِلم آدمی کو انسان بناتا ہے، اشرف بناتا ہے، بڑے اور بھلے کی تمیز سکھاتا ہے اور کتاب ذہن کو جِلا بخشتی ہے،

کتاب ذہن کو روشن کرتی ہے! کتاب ایک اچھّی ساتھی ہے، کتاب ایک سچّا دوست ہے۔ اچھّا دوست وہی ہوتا ہے جو دوست کا بھلا چاہتا ہے۔ دوست یہ چاہتا ہے کہ ہم صاحبِ کردار ہوں، ہم میں امانت ہو، دیانت و صداقت ہو۔ ہمارے اخلاق ایسے اچھّے ہوں کہ سب ہمیں پسند کریں۔ ہماری ذات سے کسی کو دُکھ نہ پہنچے۔ اچھّی کتاب ہمیں ایسا ہی اچھّا انسان بننا سکھاتی ہے۔ جس طرح دُنیا میں اچھے اور بڑے لوگ ہیں، اسی طرح کتابیں بھی اچھّی اور بُری ہوتی ہیں۔ اچھّوں کی صُحبت اچھّا بناتی ہے اور بُروں کے پاس بیٹھ کر تو آدمی بُری باتیں ہی سیکھتا ہے۔ تمھیں ہمیشہ اچھّی کتابیں تلاش کر کے پڑھنی چاہئیں تاکہ تُم اچھّے بنو۔

بچّے مُجھے عزیز ہیں۔ وہ سب میرے ہیں۔ میری خواہش ہے، اور میں چاہتا ہوں کہ میرے کشورِ حسین کے نونہال نیک ہوں، اچھّے ہوں، سچّے ہوں، بہادر ہوں اور ہمیشہ عِلم کی جستجو میں رہیں۔ اس لیے ہمدرد نے

نونہال ادب کا یہ سِلسِلہ شروع کیا ہے۔ اس منصوبے کے تحت تفریحی معلوماتی، سائنسی، دینی، اخلاقی، تاریخی اور ہر قسم کی مُفید، معیاری اور خوش نما کتابیں آسان زبان میں شائع کی جارہی ہیں کہ جن کے مطالعے سے ہمارے نونہال تفریح کے ساتھ ساتھ اپنے ذہن کو روشن اور اپنے اخلاق کو سنوار سکیں۔

یہ کتاب نونہال ادب کے سِلسِلے کی ایک کڑی ہے۔

حکیم محمد سعید

اندلس کا نجومی

کئی صدیاں گزریں ایک مُور قوم کا بادشاہ تھا۔ اُس کا نام ابُو حَبِض تھا۔ وہ سلطنتِ غرناطہ پر حکمران تھا۔ وہ ایک ایسا عظیم فاتح تھا جس نے مہماتی زندگی چھوڑ دی تھیں۔ مطلب یہ ہے کہ جوانی کے دِنوں میں اُس نے نئے نئے ملک فتح کیے اور قتل و غارت گری میں مصروف رہا۔ لیکن اب بڑھاپے میں وہ بہت کم زور ہو گیا تھا اِس لیے آرام طلب تھا اور سُست بھی

اور اب وہ اپنی زندگی امن و امان کے ساتھ گزارنا چاہتا تھا۔ اس کی یہی خواہش تھی کہ وہ اپنے پڑوسی ملکوں سے چھینی ہوئی دولت کے سہارے اپنے کارناموں کی تعریفیں سُنتا رہے اور آرام اور اطمینان سے زندگی بسر کرے۔

لیکن ہُوا یُوں کہ اب اُس کو اپنے نوجوان رقیبوں سے مُقابلہ کرنا پڑا جِن میں وہ نوجوان شہزادے شامل تھے جِن کے دِل شہرت اور کام یابی حاصل کرنے کے جذبات سے بھرے ہوئے تھے۔ اِن نوجوان شہزاروں کی تمنّا تھی کہ وہ اِس بوڑھے بادشاہ سے اپنے بزرگوں کی زبردستی چھینی ہوئی دولت کا حصّہ واپس لیں۔ اِن کے علاوہ اب اُس کے دُشمنوں میں اُس کے پڑوسی علاقوں کے ایسے حکمران بھی تھے جو بُوڑھے بادشاہ کے جوانی میں کیے ہوئے ظالمانہ سلوک کا شکار ہوئے تھے اور اُس کی کم زوری کے زمانے میں بغاوت کر کے انتقام لینا چاہتے تھے۔ بادشاہ

اب اپنے چاروں طرف دُشمنوں میں گھِرا ہوا تھا اور چوں کہ غرناطہ کے چاروں طرف ویران اور ناہموار پہاڑ تھے جِن کی وجہ سے دُشمنوں کا پتا نہیں چلتا تھا، اِس لیے ابُو حَبِض کو بہت چوکنّا اور ہوشیار رہنا پڑتا تھا کہ نہ جانے کب اور کس طرف سے حملہ آور اُس کے پائے تخت میں داخل ہو جائیں۔ اِسی لیے بادشاہ نے حفاظت کی خاطر پہاڑوں پر دفاعی قلعے تعمیر کرا دیے تھے اور پہاڑوں سے داخل ہونے والے ہر مقام پر پہرے دار مقرّر کر دیے تھے اور انہیں حکم دیا تھا کہ رات کو روشنی اور دِن میں دھوئیں کے ذریعہ سے کسی بھی دُشمن کی آمد کے بارے میں ضروری اطلاع پہنچائیں۔ بادشاہ اِس خطرے سے ہمیشہ خوف زدہ رہتا تھا کہ کہیں اُس کے ہوشیار دُشمن اُس کی تمام احتیاطی تدبیروں کو ناکام بنا کر شہر میں داخل ہو کر قتل و غارت گری کریں اور مالِ غنیمت کے ساتھ قیدیوں کو لے کر پہاڑوں میں روپوش نہ ہو جائیں۔ اِس طرح ایک امن پسند اور

بُوڑھافاتح زیادہ سے زیادہ بے چینی اور مُصیبت میں زندگی بسر کررہا تھا۔

ابُو حَبض اِن تمام پریشانیوں میں گھِرا ہوا فکر مند تھا کہ ایسے میں ایک بُوڑھا عرب نجومی اُس کے دربار میں پہنچا۔ اُس کی سفید داڑھی ناف تک لٹکی ہوئی تھی اور بُڑھاپے کی تمام نشانیاں اُس کے چہرے سے ظاہر تھیں۔ اِس بڑھاپے کے باوجود اُس نے مصر سے یہاں تک کا فاصلہ پیدل طے کیا تھا اور اِس طویل سفر میں اُس کا سہارا صرف وہ لاٹھی تھی جس پر قدیم مصری زبان میں کُچھ الفاظ کندہ تھے۔ اُس کی شہرت دربار تک پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔ اُس کا نام ابنِ ایّوب تھا۔ بچپن میں مصر آ گیا تھا جہاں اُس نے اُس زمانے کے حالات کے مطابق مصر کے مذہبی پیشواؤں کی زیرِ ہدایت سفلی علم اور خاص طور پر جادُو میں خاص مہارت حاصل کرلی تھی۔ اِس کے علاوہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اُس نے زندگی کو طویل کرنے کا راز بھی سیکھ لیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ دو سو سال سے زندہ تھا۔ زندگی کو

طویل تر بنانے کا راز اُسے بڑی عُمر میں معلوم ہوا اور نہ وہ اپنے بالوں کی سیاہی کو ہمیشہ قائم رکھتا اور اُس کے چہرے پر جھُرّیاں کبھی ظاہر ہو تیں۔

تمام بُوڑھے انسانوں کی مانند جو علاج کے سِلسلے میں طبیبوں کے مشوروں کے محتاج رہتے ہیں بادشاہ نے بھی اِس عظیم المرتبت بُوڑھے کا استقبال شان دار انداز میں کیا۔ بادشاہ چاہتا تھا کہ اِس بُوڑھے عالم اور طبیب کو محل میں ٹھیرائے، لیکن اس نجومی کی خواہش کے مطابق اُس کے قیام کے لیے اُسے غرناطہ کی پہاڑی کے پاس ایک غار میں ٹھیرایا گیا۔ یہ وہی پہاڑی علاقہ تھا جہاں بعد میں الحمرا کے شان دار محلات تعمیر کے گئے۔ بادشاہ نے غار کو وُسعت دی تاکہ وہ ایک وسیع اور شان دار ہال کی صورت اختیار کر سکے۔ بادشاہ نے اِس وسیع ہال کی چھت میں کنوئیں کی طرح دائرہ نما سوراخ بھی بنوایا تاکہ نجومی اِس سے رات اور دِن آسمان پر ستاروں کی رفتار کا جائزہ لے سکے۔ اِس ہال کی دیوار میں تصویر نما مِصری

تحریروں کے ساتھ ساتھ خُفیہ علامتوں سے بھری ہوئی تھیں۔ اِن کے علاوہ ستاروں کی شکل اور نشانیاں بھی تھیں۔ اِس ہال میں اُس نے بہت سی ایسی خُفیہ چیزیں فراہم کی تھیں جنہیں غرناطہ کے بہت ہی ماہر دست کاروں نے اُس کی ہدایت کے مطابق بنایا تھا، مگر اُس کی خُفیہ خصوصیات کا علم صرف اُسی کو تھا۔

۲

تھوڑے سے عرصے میں نجومی بادشاہ کا بڑا ہی راز دار اور قریبی مُشیر بن گیا۔ بادشاہ تمام ہنگامی حالات اور پریشانی میں اُس سے مشورہ طلب کرتا۔ بادشاہ ابُو حَبِض ایک بار اپنے پڑوسی حکمرانوں کی بے انصافی کی مذمّت کر رہا تھا اور اپنی اور اپنے دُشمنوں کے حملوں سے خود کو محفوظ رکھنے کے لیے چوکنّا رہنے کی پریشانیوں اور بے چینی میں رہنے کا ماتم کر رہا تھا۔ جب بادشاہ خاموش ہوا تو نجومی نے کہا:

"اے بادشاہ! جب میں مصر میں تھا تو میں نے دیکھا کہ وہاں کے مناظرِ قدرت کی پرستش کرنے والی ایک راہبہ نے بصرے میں ایک پہاڑ پر ایک عجیب و غریب شے بنائی جو وادیِ نیل میں بھی دُور سے نظر آتی تھی۔ یہ ایک بچھڑے کا مجسّمہ تھا اور اُس پر ایک کوّے کی تصویر بنائی گئی تھی اور یہ دونوں مجسّمے پگھلے ہوئے تیل سے بنائے تھے اور وہ اپنے محور پر کھڑے ہوئے تھے۔ جب کبھی مُلک پر حملے کا خدشہ ہوتا تو وہ بچھڑا حملہ آور کی طرف مُڑ جاتا تھا اور کوّا کائیں کائیں کرنے لگتا تھا۔ اس طرح شہر کے رہنے والوں کو خطرے کا پتا لگ جاتا اور یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ دُشمن کس سمت سے حملہ کر رہا ہے اور شہر والے عین وقت پر دُشمن کے خلاف کارروائی کر لیتے۔

"اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر ہے۔" ابُو حَبِض نے کہا۔ "ایسا ہی بچھڑا اور کوّا میرے مُلک کو بھی دُشمن کے حملوں سے محفوظ رکھنے میں کتنا عظیم

مددگار ثابت ہو گا۔ وہ پہاڑوں کے پیچھے سے حملہ کرنے والوں پر نگاہ رکھے گا اور کوّا خطرے کی صورت میں بروقت بتائے گا۔ اللہ اکبر۔ اِن کی وجہ سے اپنے محل میں محفوظ رہ سکوں گا اور آرام کی نیند سو سکوں گا۔"

نجومی بادشاہ کی باتیں خاموشی سے سُنتا رہا، اور جب بادشاہ اپنی حیرت کا اظہار کر چُکا تو بولا:

"جب فاتح عُمرو (اللہ اُس سے راضی ہو) مصر فتح کرنے کی مہم ختم کر چُکا تو میں قدیم ڈاکوؤں کے دستے میں شامل تھا تاکہ میں اُن کی مذہبی رسومات اور اُن کافروں کی تقریبات کا علم حاصل کر سکوں جن کی وجہ سے وہ بہت مشہور تھے۔ ایک دِن میں دریائے نیل کے ساحل پر بیٹھا تھا اور ایک بُوڑھے پادری سے گُفت گُو کر رہا تھا۔ اچانک اُس پادری نے مصر کے پہاڑوں پر مخروطی میناروں کی طرف اشارہ کیا جو صحرا کے قرب و جوار میں فلک بوس پہاڑوں کی طرح ہیبت ناک نظر آ رہے تھے اور کہا کہ

مرکزی مخروطی مینار کے درمیان میں مزار ہیں۔ اِس میں ایک کمرے میں اُس سب سے بڑے پادری کی ممّی رکھی ہے جِس نے اُس کی نگہداشت پر ساری عُمر گزار دی تھی اور اُس کے ساتھ ہی وہ شان دار کتاب دفن ہے جس میں جادُو کے فن کے تمام راز لکھے ہوتے ہیں۔ یہ کتاب اہرامِ مصر کی تعمیر کرنے والوں تک پہنچی۔ اِس کا عِلم صرف اُسی کو ہے جو تمام علوم اور اشیاء کو جاننے والا ہے۔

جب میں نے مصری پادری کے یہ الفاظ سُنے تو میرے دِل میں اُس کتاب کو حاصل کرنے کا شُعلہ بھڑک اُٹھا۔ میں کام یاب اور سرکاری سپاہیوں کی فوج کا کمانڈر تھا۔ اُن کے ساتھ دوسرے مقامی مصریوں کو لے کر میں اِس مُہم کو سر کرنے کے لیے روانہ ہوا اور مستحکم اور مضبوط بُنیاد کو توڑ کر اُس مینار کے اندر پوشیدہ راستے تک پہنچ گیا۔ اِس خفیہ راستے پر چل کر میں ایک چکّر دار اور خوف ناک بھول بھُلیّاں میں پہنچ گیا۔ آخر کار میں

اُس مخروطی مینار کے مرکزی مقام تک پہنچنے میں کام یاب ہو گیا جہاں قبریں تھیں اور جہاں بہت پرانے زمانے سے سب بڑے پادری کی ممّی پڑی ہوئی تھی جس کے ساتھ ہی کتابِ علم مدفون تھی۔ میں نے ممّی کے تختوں کو توڑااور کپڑے کی پیٹیوں کی کئی تہوں کو کھولا اور آخرکار وہ قیمتی کتاب اُس کے سینے پر رکھی ہوئی دیکھی۔ میں نے تھرتھراتے ہوئے ہاتھوں سے کتاب کو پکڑا اور پادری کی ممّی کو اندھیرے میں چھوڑ کر ٹٹولتے ہوئے مخروطی مینار سے باہر نکلا۔"

"اے ابنِ ایّوب!" ابُو حَبِض نے حیرت سے کہا۔ "تُو تو ایک عظیم سیّاح ہے اور تُو نے بڑی عجیب و غریب چیزیں دیکھی ہیں، لیکن یہ تو بتا کہ مصر کے اِن مخروطی میناروں اور اہرام کے رازوں اور پُراسرار کتابِ علم سے کیا فائدہ؟ " "ہاں ہاں یہی تو ہے بادشاہ سلامت! اُس کتاب کے مطالعے سے مُجھے جادُو کے تمام رازوں میں مہارت حاصل ہوئی، اور اب

عقل و دانش اور روح کی مدد سے قدرت حاصل ہو چکی ہے کہ میں اپنے تمام منصوبوں کو مکمّل کر سکتا ہوں۔ پوری دُنیا کے طِلِسم میرے لیے آسان ہیں اور میں طِلِسم سے جو چاہوں کر سکتا ہوں۔"

"اے ایّوب کے دانش مند بیٹے؟" ابُو حَبِض چیخا۔ "کیا تمہارا طِلِسم پہاڑیوں پر تعمیر شدہ میناروں اور سرحدوں پر متعیّن چوکیداروں سے بھی زیادہ مُفید ہے۔ تُم میرے تمام خزانوں کے بدلے میں مُجھے ایسا تحفّظ دے دو کہ میں دُشمنوں کے حملوں سے خود کو بچا سکوں۔"

یہ سُن کر وہ نجومی بادشاہ کی آرزوؤں کو پورا کرنے کے لیے کام کرنے کے لیے اُٹھ گیا۔ اُس نے شاہی محل پر ایک بہت بڑا مینار تعمیر کرایا جو اباسین کی پہاڑیوں سے زیادہ اونچا تھا۔ یہ مینار مصر سے لائے ہوئے اہرامِ مصر کے پتھّروں سے تعمیر کیا گیا تھا۔ مینار کے اوپری حصّے پر ایک چوکور ہال تھا جِس میں ایسی کھڑکیاں نصب کی گئی تھیں جو پُرکار کے ہر نقطے پر کھُلتی

تھیں اور ہر ایک کھڑکی کے سامنے ایک میز رکھی گئی جس پر شطرنج کی
بساط کی طرح نقلی پیادوں اور شہسواروں اور طاقتور بادشاہ کے پُتلے اور
بورڈ کھڑکی کی سمت میں حرکت کرتے تھے۔ یہ پُتلے لکڑی کے تھے۔ اِن
تمام میزوں پر آئینے جو سائز میں چھوٹے بڑے تھے نصب کر دیے گئے
جس پر پرانے زمانے کے لوگوں کی صورتیں نقش کر دی گئی تھیں۔ اِس
ہال کو ہمیشہ ایک پیتل کے دروازے سے بند رکھا جاتا تھا اور اِس
دروازے پر لوہے کا قُفل ڈالا جاتا تھا اور اِس قُفل کی چابی بادشاہ کے قبضے
میں تھی۔ مینار کی چوٹی پر تانبے سے بنایا ہوا ایک گھُڑسوار کا مجسّمہ تھا جو
ایک محور پر ٹِکا ہوا تھا۔ اُس کے ایک بازو میں ڈھال تھی اور دوسرے
ہاتھ میں نیزا جو عمودی حالت میں اوپر کو اُٹھا ہوا تھا۔ اِس گھُڑسوار کا چہرہ
شہر کی طرف تھا جیسے کوئی چوکیدار نگرانی کر رہا ہے، لیکن اگر کوئی دُشمن
نمودار ہوتا تو وہ شکل اُس کی طرف پھِر جاتی تھی اور اُس کے نیزے کی

سطح بھی بُلند ہو جاتی تھی جیسے کہ وہ حملہ آور پر حملہ کر رہا ہو۔ نجومی نے اِس طلِسماتی کام کو ختم کیا تو ابُو حَبِض نے اِس طلِسم کو آزمانے کے لیے اپنی بے قراری کا اظہار کیا اور بڑے جوش سے تمنّا کی کوئی دُشمن حملہ کرے۔ اُس کی تمنّا جلد ہی پوری ہو گئی۔ دوسرے دِن صُبح کو چوکیدار نے جو پہاڑ کی بُلندی پر متعیّن تھا اطلاع دی کہ مینار پر پیتل کے گھُڑ سوار کا رُخ ایل درا کے پہاڑوں کی جانب مُڑ گیا ہے اور اُس کے نیزے نے لوب نامی درّے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ خبر سُنتے ہی ابُو حَبِض نے فوجی نقّارا بجانے کا حکم دیا تا کہ غرناطہ کے تمام باشندے ہوشیار ہو جائیں۔

"اے بادشاہ نہ اپنے شہریوں کو بے آرام کر اور نہ ہی اپنے سپاہیوں کو جنگ کے لیے تیّار کر، کیوں کہ تُجھے دُشمن سے محفوظ رکھنے کے لیے فوج کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنے تمام ملازمین کو یہاں سے ہٹا دے اور مینار کے پوشیدہ ہال میں چل۔"

ابُو حَبِض بوڑھے ابن ایّوب کا سہارا لے کر مینار کی سیڑھیوں پر چڑھ گیا۔ اُنھوں نے تانبے کے دروازے کے قُفل کو کھولا اور کمرے میں داخل ہوئے۔ لوب کے درّے کے سامنے والی کھڑکی خود بخود کھُل گئی۔ ''اِس طرف۔'' نجومی نے کہا۔ ''دیکھو خطرہ اِس جانب ہے، بادشاہ سلامت اِس طرف آیئے اور اب میزوں کا کمال دیکھیے۔''

بادشاہ شطرنج کی بساط کی جانب بڑھا جس پر لکڑی کی پُتلیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اُسے اُس وقت بہت ہی حیرت ہوئی جب اُس نے دیکھا کہ وہ تمام پُتلیاں حرکت میں آ گئیں۔ تختے پر لکڑی کے گھوڑے اُچھلنے لگے اور تمام مصنوعی سپاہی اپنے ہتھیاروں سے حملہ کرنے لگے۔ نقّارا بجنے کی دھیمی آوازیں سُنائی دے رہی تھیں۔ ہتھیاروں کے چلنے کا شور اور گھوڑوں کی ہنہنانے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ پھر شہد کی مکھّیوں کی بھنبھنانے کی آوازیں سُنائی دیں۔

نجومی نے کہا۔ ”بادشاہ سلامت سنیے۔ آپ کے دُشمن ابھی تک میدان میں موجود ہیں اور وہ دُور کے پہاڑوں کے درّوں سے لوب کے درّے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اگر اِن دُشمنوں میں خوف و ہراس پھیلا کر اُنہیں شکست دینا چاہتے ہیں تو جادُو کا بٹن دبا دیں۔ اگر چاہتے ہیں کہ حملہ کرنے والے دُشمنوں کا قتلِ عام ہو تو پھر دوسری جانب کا بٹن دبا دیں۔“

بادشاہ کے چہرے پر غضب کی لہر نظر آئی اور اُس نے نیزا اپنے تھرتھراتے ہوئے ہاتھوں میں اُٹھایا اور میز پر پھینک دیا۔ اُس نے کہا۔ ”اے ایّوب کے بیٹے! میرا خیال ہے کہ دُشمن کا خون بہایا جائے۔“

یہ کہہ کر بادشاہ نے جادُو کے نیزے کو لکڑی کی پُتلیوں میں گھُسا دیا۔ اِس پر وہ لکڑی کی پُتلیاں بے جان ہو کر گِر گئیں، اور پھر گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔

نجومی نے بڑی مُشکل سے، ایک دوسرے سے لڑنے والے دُشمن بادشاہوں کو روکا اور پھر بادشاہ اور نجومی مینار سے نیچے اُترے اور اُنہوں نے چند جاسوسوں کو لوب نامی درّے کی طرف حقیقتِ حال معلوم کرنے کے لیے روانہ کیا۔

جاسوسوں نے واپسی پر بتایا کہ عیسائیوں کی فوج نے سائی را کے مرکز سے حملہ کیا تھا، لیکن اُن میں خود پھُوٹ پڑ گئی اور وہ ایک دوسرے کے خلاف اپنے ہتھیار استعمال کرنے لگے اور باہمی قتل و غارت گری کے بعد وہ سرحد چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔ بادشاہ کو اِس خبر سے بے حد خوشی ہوئی اور ابنِ ایّوب کے اِس عِلم کی کام یابی پر اُس کا دِل خوشی سے ناچنے لگا۔ آخر کار اُس نے کہا، "اب میں اطمینان اور سکون کی زندگی بسر کر سکوں گا اور اپنے تمام دُشمنوں کو اپنے قابو میں رکھ سکوں گا۔ اے ایّوب کے دانش مند لڑکے، بتا میں تُجھے اِس عظیم خدمت کے بدلے کیا انعام

دوں؟“

ابنِ ایّوب نے جواب دیا۔ ”اے بادشاہ! ایک بُوڑھے فلسفی کی ضروریات بہت ہی محدود اور سادہ ہوتی ہیں۔ میری درخواست تو بس اتنی ہی ہے کہ آپ مُجھے اپنے غار کو ضروریات سے آراستہ کرنے کی اجازت دیں تاکہ میں اِسے ایک بہتر خانقاہ میں تبدیل کر سکوں اور یہی میری خواہش ہے۔“

بادشاہ نے اپنے دِل میں اِس معمولی معاوضہ کی ادائی پر خوشی محسوس کرتے ہوئے اپنے خزانچی کو بُلایا اور اُسے حُکم دیا کہ وہ ابنِ ایّوب کو اُس کی خانقاہ کی تعمیر میں جتنی رقم درکار ہو دے دے۔

شاہی اجازت ملنے کے بعد نجومی نے احکام جاری کیے کہ چٹان تراش کر مختلف کمرے بنائے جائیں تاکہ اُن سب کے راستے اُس بڑے نجوم کے

بال تک پہنچ سکیں، اور اِن تمام کمروں کی آرائش ترکوں کے شان دار دیوان خانوں کی طرز پر کی گئی۔ دیواروں پر موٹے مخملیں پردے لٹکائے گئے۔ ”میں ایک بوڑھا آدمی ہوں۔“ نجومی نے کہا۔ ”میری بوڑھی ہڈّیوں کو پتھّروں کی کوچ پر سخت تکلیف پہنچے گی۔ اِس لیے اِن گیلی دیواروں کو پردوں کی سخت ضرورت ہے۔ نجومی نے کئی غُسل خانے بھی تعمیر کرائے۔ جِن میں ہر قسم کے عطر اور خوشبوئیں مہیّا کی گئیں اور خوشبو دار تیل بھی رکھے گئے۔ نجومی نے کہا۔ ”غُسل کے لیے یہ تمام چیزیں ضروری ہیں تاکہ جسم کی سختی کو ملائم اور نرم رکھا جائے اور جسمانی تازگی کو بحال رکھا جاسکے۔“ کمروں کو روشن رکھنے کے لیے چاندی کے خوب صورت اور شفّاف لیمپ بھی لگائے گئے اور اُن میں خوشبو دار تیل ہمیشہ موجود رہتا اور یہ سب نجومی نے اُس نمونے کے مطابق بنایا جو اُس نے مصر کے مقبروں میں دیکھا تھا۔ چراغوں میں جو تیل جلایا جاتا تھا وہ

بڑا خوشبودار تھا اور اُس سے جو روشنی پیدا ہوتی تھی وہ دِن کی طرح روشن تھی۔ نجومی نے کہا کہ یہ سب کُچھ اُس نے اِس لیے کیا ہے کہ سورج کی روشنی ایک فلسفی کے مزاج کے مطابق ہوتی ہے۔

بادشاہ کے خزانچی کو خانقاہ کی تیّاری میں زیادہ سے زیادہ خرچ کی جانے والی رقم کے مطالبے پر غصّہ آنے لگا اور آخر کار وہ شکایت کرنے کے لیے بادشاہ کے پاس گیا۔ بادشاہ نے شکایت سُننے کے بعد کہا۔ ''ہمیں صبر کرنا چاہیے۔ اِس بُوڑھے آدمی نے تعمیر کا تجربہ مدّتوں مصری اہرام کے اندرونی کمروں کو دیکھ کر حاصل کیا ہے۔ ہمیں اُس کے تعمیراتی تجربہ کو عمل میں لانے میں صبر اختیار کرنا چاہیے۔ ہر کام کی کوئی نہ کوئی حد ہوتی ہے، اِس طرح اس بوڑھے نجومی کے مطابق کمروں کی آرائش اور زیبائش کا کام بھی آخر کار ختم ہو جائے گا۔''

بادشاہ کا کہنا صحیح تھا۔ خانقاہ کی تعمیر اور آرائش کا کام آخر کار ختم ہو گیا اور

وہ خانقاہ ایک عظیم الشّان محل کی شکل اختیار کر گئی۔

ابنِ ایّوب نے خزانچی سے کہا۔ "اب میں مطمئن ہوں اور اب میں خود کو کمرے میں بند کر لوں گا اور مطالعے میں مصروف رہوں گا، ہاں تھوڑے وقفے کے بعد دماغی تھکاوٹ کو دُور کرنے کے لیے مُجھے تفریح کی ضرورت ہو گی۔"

۳

اب فلسفی ابنِ ایّوب اپنی زندگی سکون اور آرام کے ساتھ خانقاہ میں گزار رہا تھا اور بادشاہ اپنا وقت مینار کے بڑے کمرے میں بیٹھ کر پُتلیوں کی خوف ناک جنگ میں اپنا وقت گزارتا۔ ایک بُوڑھے جنگجو بادشاہ کے لیے یہ بات ضروری تھی کہ وہ اپنا وقت مصنوعی پُتلیوں کو مہروں کی طرح حرکت میں لا کر خون خرابہ کرتا رہے کیوں کہ اِس میں اُس کی تفریح کا سامان تھا۔ کُچھ عرصے تک بادشاہ شور مچاتا رہا اور اپنے پڑوسیوں پر طنز

کرتا رہا، اور ایسی حرکتیں کرتا رہا کہ وہ غصّے میں آکر اُس پر حملہ کر دیں،
لیکن آہستہ آہستہ اُس کے تمام پڑوسی حاکم اُس کی غارت گری سے اتنے
زیادہ خوف زدہ ہو گئے کہ کسی کو بھی اُس کے مُلک پر حملہ کرنے کی
جرأت نہ ہوئی، اور اِس طرح کئی مہینے تک گُنبد پر نصب کیا ہوا پیتل کا
گھُڑسوار خاموش رہا اور اپنے نیزے کے ساتھ جو ہوا میں بُلند تھا ساکت
رہا اور بادشاہ کو اپنے غارت گری کے کھیل سے فرصت مل گئی۔ اِس لیے
وہ اپنی عادت کے خلاف چڑچڑا ہو گیا۔

آخر کار ایک دِن اچانک طلِسماتی گھُڑسوار نے چکّر لگایا اور اپنے نیزے کو
جھُکا کر گوڈکس کے پہاڑ کی طرف اشارہ کیا۔ بادشاہ فوراً مینار کی طرف
پہنچا، لیکن جادُو کی میز نے اُس سمت حرکت نہ کی اور نہ ہی کوئی جنگجو لکڑی
کی پُتلی حرکت میں آئی۔ پریشان ہو کر بادشاہ نے گھُڑسوار فوج کا دستہ
پہاڑوں کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ حالات کا جائزہ لے۔ فوج کا دستہ تین

دِن کے بعد واپس لوٹا اور سردار نے بتایا کہ اُنھوں نے پہاڑ کے ہر درّے کی تلاشی لی، لیکن اُنہیں دُور تک کسی حملہ آور کا پتا نہ چل سکا۔ ہاں البتّہ اُن کی تلاش کے دوران اُنہیں ایک خوب صورت عیسائی لڑکی دوپہر کے وقت ایک چشمے کے پاس سوتے ہوئے دِکھائی دی اور اُسے وہ قیدی بنا کر ساتھ لے آئے ہیں۔ بادشاہ نے انتہائی تعجّب سے کہا۔ ''اُسے ہمارے دربار میں بھیجا جائے۔'' چناں چہ حسین دوشیزہ کو بادشاہ کے دربار میں پیش کیا گیا۔ اُسے تمام قیمتی زیورات سے آراستہ کیا گیا تھا۔ سفید چمک دار ہیرے اُس کی بکھری ہوئی زُلفوں میں پروئے گئے اور اُس کی پیشانی قیمتی جواہرات سے دمک رہی تھی اور اُس کی وجہ سے اُس کی آنکھوں کی چمک نظر کو چکا چوند کر رہی تھی، اُس کا سنہرا گلوبند اور مالے کی زنجیریں نیچے تک لٹک رہی تھی اور زنجیر کے نِچلے حلقے میں ایک ہیرا بھی لگا ہوا تھا۔ اُس کی گہری اور سیاہ آنکھوں سے شعلوں کی لپک نے ابُو حَبِض کے مُرجھائے

ہوئے دِل میں زندگی کی لہر دوڑادی۔

بادشاہ نے پوچھا۔ ”کون ہو؟“

”میں گوتھک بادشاہ کی بیٹی ہوں جو ابھی کُچھ عرصے پہلے تک اِس مُلک پر حکومت کرتا تھا۔ میرے والد کی فوج اِن پہاڑوں پر جادُو کے عمل سے تباہ وبرباد ہو چکی ہے اور اُسے جلاوطن کر دیا گیا ہے اور اُس کی بیٹی کو قیدی بنا کر آپ کے دربار میں پیش کیا گیا۔“

ابنِ الّیوب نجومی نے کہا۔ ”بادشاہ سلامت ہوشیار ہو جائیں، مُجھے تو یہ شمالی علاقوں کی وہ جادُوگرنی معلوم ہوتی ہے جِس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ روپ بدل کر لوگوں کو دھوکا دیتی ہے۔ میں اِس کی آنکھوں میں جادُو کی تحریر پڑھ سکتا ہوں اور اِس کے بدن کی ہر ہر جُنبش سے سحر نمایاں ہے۔ بے شک یہی وہ دُشمن ہے جس کی طرف طلِسماتی گھُڑسوار

نے اشارہ کیا ہے۔ ""اے ابنِ ایّوب!" بادشاہ نے جواب دیا۔ "تُم ایک دانش ور انسان ضرور ہو اور دُنیا کے نام ور نجومی بھی، لیکن عورتوں کے بارے میں بالکل بے خبر ہو، اور اِس سِلسِلے میں دُنیا کا کوئی آدمی مُجھ سے بازی نہیں لے جا سکتا۔ اِس دوشیزہ میں خطرے کی کوئی علامت نہیں ہے، دیکھنے میں یہ بہت ہی خوب صورت بھی ہے اور اِس کے حُسن اور آنکھوں کی کشش نے میرا دِل جیت لیا ہے۔"

نجومی نے کہا۔ "خبر دار بادشاہ سلامت، میری طِلسمات سے آپ کو کئی فتوحات حاصل ہوئی ہیں اور آپ ہر طرح کے نقصان سے محفوظ رہے ہیں۔ اِس لیے اِس قیدی دوشیزہ کو آپ میرے حوالے کر دیں تا کہ میری غم خوار اور ہمدرد بن سکے۔ اگر وہ حقیقت میں جادُوگرنی نکلی تو میرے پاس اِس کے منتر کا توڑ موجود ہے اور میں اِس کا مُقابلہ کر سکوں گا۔"

بادشاہ نے کہا۔ ”کیا تمہارے پاس پہلے سے ہی دِل بہلانے والی بہت سی ناچنے والی عورتیں نہیں ہیں؟“ نجومی نے کہا۔ ”بے شک میرے پاس ناچنے والی تو بہت سی عورتیں ہیں، لیکن گانے والی کوئی عورت نہیں ہے اور مُجھے ایک خوش گلو عورت کی سخت ضرورت ہے جو اپنی آواز کے حُسن سے میرے کھلے ہوئے ذہن کو آسودگی بخش سکے اور مطالعے سے تھکی ہوئی روح کو سکون عطا کر سکے۔“ بادشاہ نے بے قراری سے کہا۔ ”اِس عورت کو تو میں نے اپنے لیے منتخب کر لیا ہے۔ مُجھے اِس کو دیکھنے سے راحت پہنچی ہے۔“

نجومی کی مزید درخواست اور التجاؤں سے بادشاہ کو اور غصّہ آنے لگا۔ اِس لیے دانش مند نجومی نے خود کو اپنی خانقاہ میں بند کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ وہ اپنی ناکامی پر غور کر سکے، لیکن جانے سے پہلے اُس نے ایک بار پھر بادشاہ کو اِس خطرناک دوشیزہ سے خبردار رہنے کے لیے تنبیہ کی۔ مگر بوڑھا

بادشاہ جو اِس دوشیزہ پر فریفتہ ہو چکا تھا۔ اب تو وہ صرف یہ سوچ رہا تھا کہ کس طرح وہ اِس گوتھک شہزادی کا منظورِ نظر بن سکتا ہے۔ وہ جوانی سے بے شک محروم تھا لیکن اُس کے پاس بے شمار دولت تھی۔ اِس طرح بُوڑھے بادشاہ نے مشرقی اور مغربی ممالک کے تمام جواہرات، زیورات، ریشمیں کپڑے اور افریقہ سے درآمد کی ہوئی خوشبوئیں اور تمام قیمتی اشیاء شہزادی کے سامنے پیش کیں۔ اُس کی تفریح اور دِل بستگی کے لیے ایسی ہی اور نمائشوں کا اہتمام کیا گیا، مگر شہزادی نے اِس تمام اہتمام پر کوئی توجّہ نہیں دی اور بادشاہ شہزادی کے دِل میں محبّت پیدا کرنے میں ناکام رہا۔ شہزادی نے اپنے جذبات کے اظہار کے لیے نہ تو کبھی تیوری چڑھائی اور نہ اُس کے ہونٹوں پر مسرّت نمودار ہوئی۔ اُس کی آواز میں ایک خُفیہ سی کشش پیدا ہوئی تھی، ایک ہی لمحے میں بادشاہ نے سر ہلایا اور اُس پر نیند غالب آگئی اور وہ گہری نیند سو گیا۔ اور جب اُس کی

آنکھ کھُلی تو اُس نے خود کو تازہ دم محسوس کیا۔ اب وہ روزانہ گہری نیند سوتا اور رات کو دِل پسند خواب دیکھتا جِن کی وجہ سے اُس کے جذبات کو سکون حاصل ہوتا۔ خواب میں وہ دیکھتا کہ جیسے تمام لوگ اس کی صورت پر طنز کر رہے ہیں۔ اور اُس کی دولت کے غیر ضروری اسراف پر اُس کی شکایت کر رہے ہیں۔

آخر کار دُشمن کا خطرہ نمودار ہوا مگر اُس کے طلِسماتی گھُڑسوار نے کسی قسم کا کوئی بھی اشارہ نہیں کیا اِس سے دارالحکومت میں ہنگامہ برپا ہوا اور باغیوں نے اُس کے محل کو چاروں طرف سے گھیر لیا جس کی وجہ سے بادشاہ کی زندگی خطرے میں پڑ گئی۔ نتیجے میں بادشاہ کی جنگجُویانہ آگ بھڑک اُٹھی اپنے گارڈ کے دستے کے ساتھ بادشاہ باغیوں کی سرکوبی کے لیے بڑھا اور خطرے کو مٹا دیا۔

۴

جب دوبارہ امن قائم ہو گیا تو بادشاہ نے نجومی کو بُلایا جو کئی دِنوں سے اُس خانقاہ میں بند غم اور غصّے میں مبتلا تھا۔ بادشاہ نجومی کی طرف بڑھا اور رضا جویانہ انداز میں بولا:

”اے ایّوب کے دانش مند بیٹے! تُم نے تو اِس دوشیزہ قیدی کی طرف سے خطرے کی پیشن گوئی کی تھی۔ اب مُجھے بتاؤ کہ میں خطروں سے نجات حاصل کرنے کے لیے کیا کروں؟“

نجومی نے جواب دیا۔ ”اپنی اِس کافر دوشیزہ کو فوراً اپنے سے دور کر دیجیے۔“

بادشاہ نے کہا۔ ”اِس دوشیزہ کو دور کرنے کے بجائے میں اپنی تمام سلطنت کو چھوڑ دوں گا۔“

نجومی نے کہا۔ ”آپ بہت جلد اپنی حکومت اور اِس دوشیزہ دونوں سے محروم ہو جائیں گے۔“

ابُو حَبِض نے کہا۔ ”اے نجومیوں کے سردار غصّہ نہ کیجیے اور مُجھے اِن پریشانیوں سے بچانے کی تدبیر سوچیے جِن میں مَیں گِھرا ہوں۔ مُجھے شان و شوکت کی کوئی پروا نہیں ہے۔ مُجھے اقتدار کی اور حکومت اور طاقت کی بھی کوئی پروا نہیں۔ میری تو بس اب یہی خواہش ہے کہ میں اپنے زندگی کے باقی دِن کسی گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر آرام اور سکون سے گزار سکوں۔“

نجومی نے تھوڑی دیر کے لیے اُس کی بات پر دھیان دیا اور بادشاہ کو اپنی گھنی بھنوؤں میں دھنسی ہوئی آنکھوں سے دیکھ کر کہا۔ ”بتاؤ مُجھے کیا دو گے اگر میں تمہارا مطلوبہ گوشۂ عافیت مہیّا کر دوں؟“

”اے نجومی تُم خود اپنا انعام تجویز کر دو۔ یہ کُچھ بھی ہو جب تک میں زندہ ہوں، اگر وہ میرے امکان میں ہوا تو یقیناً میں تمہیں وہ ضرور دے دوں گا۔“

نجومی نے کہا۔ ”آپ نے صحرائے عرب میں ارم کے باغ کے بارے میں ضرور سُنا ہو گا۔“ بادشاہ نے جواب دیا۔ ”ہاں میں نے اُس باغ کے بارے میں سُنا ہے، لیکن میرے خیال میں یہ صرف ایسی حکایتیں ہی ہیں جو اکثر زیادہ سفر کرنے والے بیان کرنے کے عادی ہیں۔“

نجومی بولا۔ ”اے بادشاہ! مسافروں کی کہانیوں کو جھوٹ نہ سمجھئے، کیوں کہ اُن میں دانش مندی اور عِلم کے ایسے خزانے پوشیدہ ہوتے ہیں جِن کا تعلّق دُور دراز علاقوں سے ہوتا ہے۔ اِسی لیے ارم کے باغ اور محل کے بارے میں جو کُچھ کہا جاتا ہے وہ سچ ہے اور میں نے تو خود اپنی آنکھوں سے اُنہیں دیکھا ہے۔ اِس سِلسِلے میں مَیں اپنی مہم بیان کرتا ہوں۔ آپ

اِسے غور سے سُنیں کیوں کہ اِس کا تعلّق آپ کی خواہش سے ہے۔

میرے بچپن کے زمانے میں جب کہ صحرائے عرب کے ایک باشندے کی طرح میں اپنے باپ کے اونٹوں کی نگرانی کرتا تھا، عدن کے صحرا کے سفر میں ایک اونٹ دوسروں سے الگ ہو گیا اور گُم ہو گیا۔ میں نے کئی دِن تک اُسے تلاش کیا۔ آخر ناکام ہو کر تھک گیا اور ایک کھجور کے درخت کے سائے میں جِس کے پاس ایک کنواں تھا مُجھے نیند آگئی۔ جب میں بیدار ہوا تو میں نے خود کو شہر کے دروازے پر کھڑا پایا۔ میں دروازے میں داخل ہوا۔ مُجھے خوب صورت درخت اور بڑی بڑی عمارتیں، بازار اور سجی ہوئی گلیاں اور سڑکیں نظر آئیں، لیکن وہ شہر سُنسان تھا اور وہاں مُجھے دُور تک کوئی بندہ بشر نظر نہیں آیا۔ میں گھومتا رہا اور آخر کار ایک شان دار محل اور باغ میں پہنچ گیا۔ باغ میں خوب صورت فوّارے تھے اور خوب صورت مچھلیاں نہروں میں غوطے لگا

رہی تھیں۔ خوب صورت پھولوں کی کیاریاں دِل کو لُبھا رہی تھیں، درختوں کی شاخیں لذیذ پھلوں سے لدی ہوئی تھیں۔ لیکن اِن رونقوں کے باوجود وہاں کوئی انسان نظر نہ آیا۔ میرا دِل اِس تنہائی پر بہت گھبرایا اور میں نے اِس مقام سے روانہ ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ بہرحال شہر کے دروازے کی طرف واپسی سے پہلے میں نے محل کی طرف دیکھا، مگر وہ اچانک غائب ہو چُکا تھا۔ اور اب میری نظروں کے سامنے نہ وہ باغ تھا، نہ وہ چشمے، نہ وہ فوّارے اور نہ ہی وہ پھولوں کی کیاریاں اور پھلوں سے لدی ہوئی درختوں کی ڈالیاں۔ دُور تک جنگل ہی جنگل تھا۔ قریب ہی مُجھے ایک بُوڑھا درویش دِکھائی دیا جو یہاں کے تمام حالات سے باخبر تھا اور اِس علاقے کی تمام خُفیہ باتوں کو اچھّی طرح جانتا تھا۔ میں نے اُسے اپنی کہانی سُنائی۔ درویش نے میری کہانی سُن کر کہا ہاں وہ اِس صحرا کا عجوبہ ہے۔ تُم باغِ ارم کی بات کر رہے ہو اور اِس کا نظّارہ صرف تُم جیسے مسافر ہی کر سکتے

ہیں۔ تھکاوٹ اور تکلیف میں خوب صُورت مینار اور محلات، پھُولوں کی
مہک سے معطّر باغات اور پھلوں سے لدے ہوئے درخت اور پھر اچانک
یہ سب منظر غائب ہو جاتا اور پھر دُور تک سُنسان صحرا سامنے آجاتا ہے
اور یہی اُس باغ کی کہانی ہے۔ پرانے زمانے میں جب اِس زمین پر قومِ عاد
آباد تھی۔ بادشاہ شدّاد نے یہاں ایک شان دار شہر آباد کیا تھا۔ جب اُس
کی تعمیر مکمّل ہو گئی تو اِس شہر کی شان و شوکت کو دیکھ کر اُس کا دِل گھُمنڈ
اور غرور سے بھر گیا اور اُس نے فیصلہ کیا کہ یہاں ایک ایسا شاہی محل
تعمیر کیا جائے جو اپنی شان و عظمت میں بے مثال ہو اور اُس کے باغات
جنّت کے اُن باغوں سے بھی زیادہ خوب صورت اور شان دار ہوں۔ اُس
نے ایسے عالی شان محل اور باغات تعمیر کرائے۔ مگر غرور اور سرکشی کی
وجہ سے وہ محلات اور باغات اوندھا دیے گئے۔ وہ انسانی نظروں سے
اُوجھل رہتے ہیں، ہاں کبھی کبھی نظر آجاتے ہیں تا کہ مغرور بادشاہ کے

تکبّر و غرور کے واقعہ کی یاد ہمیشہ تازہ رہ سکے۔ اے بادشاہ، یہ کہانی اور جو عجائبات میں نے دیکھے ہیں، میرے ذہن میں آباد ہیں اور جب میں مصر میں رہتا تھا، کتابِ دانش میرے پاس تھی۔ میں نے کئی بار ارادہ کیا کہ میں ارم کے باغ میں دوبارہ جاؤں اور میں نے ایسا ہی کیا اور میں نے اِن آنکھوں کے سامنے وہی مناظر دوبارہ دیکھے۔ میں نے شدّاد کے محل پر قبضہ کیا اور کئی دِن تک اُس کی نقلی جنّت میں قیام کیا۔ وہ روحیں جو اُس محل کی نگراں تھیں میری طِلسماتی قوّت کی تابع دار بن گئیں اور اُنہوں نے مُجھے وہ تمام راز بتادیے تھے جن کی وجہ سے وہ محل اور باغ نظر آتے تھے اور غائب ہو جاتے تھے۔ اور اے بادشاہ سلامت! میں آپ کے لیے پہاڑوں پر ایسے باغات اور محلات تعمیر کر سکتا ہوں کیوں کہ میں پوشیدہ راز بھی جانتا ہوں اور کتابِ دانش آج بھی میرے قبضے میں ہے۔"

ابُو حَبِض نے کہا۔ ”اے ایّوب کے دانش مند بیٹے، تُو حقیقت میں ایک عظیم سیّاح ہے اور دُنیا کے تمام عجائبات کے بارے میں جانتا ہے۔ اِس لیے میرے لیے بھی ایک ایسی ہی جنّت بنا دے۔ میں تُجھے مُنہ بولا انعام دوں گا۔ بلکہ میں تُجھے اپنی آدھی سلطنت دے دوں گا۔“

نجومی نے کہا۔ ”افسوس! آپ جانتے ہی ہیں کہ میں ایک بُوڑھا فلسفی ہوں اور میری تمام خواہشات پوری ہو چُکی ہیں۔ ہاں البتّہ انعام کی جگہ آپ ایک ایسے گھوڑے کا انتظام کر دیں جو میرے سامان کے ساتھ جادوئی محل کے دروازے میں داخل ہو سکے۔“

بادشاہ خوشی سے اِس پر راضی ہو گیا اور نجومی اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ پہاڑ کی چوٹی پر اپنی کُٹیا کے اوپر اُس نے سب سے بڑا دروازہ تعمیر کرایا جو بَربَری طرزِ تعمیر کا نمونہ تھا اور اُس کے وسط میں ایک بڑا مینار بنایا گیا۔ اِس مینار کے بیرونی حصّے میں ایک ڈیوڑھی تھی جس میں اُونچے

ستون نصب تھے اور اِس کے اندرونی حصّے میں ایک چھوٹا دروازہ تھا جس میں تینتیس اور چھوٹے چھوٹے دروازے تھے۔ نجومی نے اپنے ہاتھ سے چھوٹے دروازے کے بنیادی پتھّر پر ایک بڑی سی چابی کی شکل بنائی اور باہر کے بنیادی ستون پر ایک دیو جیسے ہاتھ کی تصویر کندہ کی۔ یہ دو ایسے طاقت ور طلِسماتی نشانات تھے جن پر ایک نامعلوم زبان کے جملے لکھے ہوئے تھے۔

اِس دروازے کے مکمّل ہو جانے کے بعد نجومی نے خود کو دو دِن تک علمِ نجوم کے کمرے میں بند رکھا اور اپنے جنتر منتر پڑھنے میں مصروف رہا۔ تیسرے دِن وہ پہاڑی پر چڑھا اور پورا دِن چوٹی پر گزار دیا۔ رات کی آخری گھڑی میں وہ نیچے اُترا اور بادشاہ کے پاس آیا اور بولا۔ ”آخر کار بادشاہ سلامت! میں اپنی محنت اور ارادے میں کام یاب ہو گیا ہوں۔ پہاڑ کی چوٹی پر وہ عظیم الشّان محل تعمیر ہو چکا ہے جو کسی انسانی ذہن کی پہنچ

سے زیادہ عظیم اور برتر ہے۔ اِس میں بڑے وسیع کمرے ہیں دالان ہیں، شان دار باغات ہیں، ٹھنڈے فوّارے ہیں، خوشبودار غُسل خانے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ پورے پہاڑ کو ایک ارم میں جنّت میں تبدیل کر دیا گیا ہے اور اِس کی بنیاد طلِسم پر ہے، جو اِسے عام انسانوں کی نظر سے چھُپائے ہوئے ہے اور یہ محل صرف اُنہی لوگوں کو نظر آ سکتا ہے جو طلِسماتی رازوں سے واقف ہیں۔"

"بہت خوب۔" بادشاہ خوش ہو کر بولا۔ "ہم کل ہی پہاڑ پر چڑھ کر اِس پر قبضہ کریں گے۔"

۵

بادشاہ کو رات بھر نیند نہیں آئی اور ابھی صُبح کی پہلی کِرن پہاڑ کی برفیلی سطح پر نمودار ہوئی تھی کہ بادشاہ گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے گِنے چُنے ملازموں کے ساتھ پہاڑ کی چوٹی کی سمت جانے والے تنگ اور ڈھلوان

راستے پر چڑھنے لگا۔ اِن کے علاوہ ایک خوب صورت گھوڑی پر گوتھک شہزادی اپنے زرق برق لباس میں بادشاہ کے ساتھ تھی۔ نجومی بادشاہ کی دوسری طرف تھا اور آہستہ آہستہ اپنی مصری نقشین لاٹھی کے سہارے پاؤں جماتے ہوئے چل رہا تھا کیوں کہ اُس نے کبھی بھی کسی گھوڑے کی سواری نہیں کی تھی۔

بادشاہ نے محل کے میناروں کو اُوپر چمکتے ہوئے دیکھا، لیکن دُور تک باغ کی قطاروں کا منظر اور دوسری چیزوں کے آثار نظر نہیں آئے تو اُس نے کہا۔ ”محلات تو نظر نہیں آئے۔“

”یہی تو جادُو کا کمال ہے۔“ نجومی نے جواب دیا۔ ”اور آپ کو یہ سب اُس وقت تک نظر نہیں آئیں گے جب تک آپ طلِسماتی دروازے کے اندر داخل نہیں ہوں گے۔“

اور جب بادشاہ اور اُس کے تمام ملازمین دروازے کے پاس پہنچے تو نجومی ٹھیر گیا اور اُس نے طلِسماتی ہاتھ اور طلِسماتی چابی کی طرف اِشارہ کیا جو اُس نے ستون پر بنائے تھے اور کہا۔ ”یہی وہ طلِسماتی نِشان ہیں جو اِس جنّت کے محافظ ہیں۔ جب تک وہ طلِسماتی ہاتھ نیچے پہنچ کر چابی نہیں اُٹھاتا، اُس وقت تک نہ تو کوئی فانی قوّت اور نہ ہی کوئی طلِسماتی ہنر اِس راز کو فاش کر سکتا ہے۔“

ابھی بادشاہ مُنہ کھولے حیرت سے دروازے کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ شہزادی اپنے گھوڑے کے ساتھ چھوٹے دروازے میں داخل ہو گئی۔

”یہ دیکھیے! مُجھے میرا انعام مل گیا۔“ نجومی نے کہا۔ تھوڑی دیر کے لیے بادشاہ مُسکرایا اور پھر غصّے میں آکر بولا۔ ”یہ کیا مذاق ہے۔ اے ابنِ ایّوب! تُم میرے اصطبل کا سب سے طاقت ور گھوڑا لے کر میرا تمام خزانہ لے جا سکتے ہو۔ مگر تُم میری سب سے زیادہ چہیتی شہزادی کو نہیں

لے جاسکتے۔ تُم جانتے ہو یہ مُجھے دِل سے عزیز ہے۔"

نجومی بولا۔ "مُجھے دولت کی کیا ضرورت ہے، کیا میرے پاس کتابِ دانش نہیں ہے جس کی مدد سے میں دُنیا کے تمام چھُپے ہوئے خزانے حاصل کر سکتا ہوں؟ اب شہزادی میری ہے۔ شاہی فرمان کے مطابق اِس پر اب میرا حق ہے۔"

شہزادی نے اپنی گھوڑی پر بیٹھے ہوئے حقارت سے دو بُوڑھوں کو ایک دوسرے سے جھگڑتے ہوئے دیکھا اور اُس کے لبوں پر مُسکراہٹ نمایاں تھی۔

بادشاہ نے غضب ناک ہو کر کہا۔ "اے صحرا کے کمینے انسان، اِس میں کوئی شک نہیں کہ تو کئی علوم اور فنون کا ماہر ہے، لیکن میں تیرا آقا ہوں۔ اپنے بادشاہ کا خیال کر اور مُجھ سے جھگڑا نہ کر۔"

نجومی نے جواب دیا۔ "اے چھوٹی سی سلطنت کے مالک، اور اے معمولی انسان، تو اس کا آقا کیسے ہو سکتا ہے جس کے پاس کتابِ دانش ہے۔ جا اور اپنی چھوٹی سی سلطنت پر حکومت کر۔ میں اپنی آرام گاہ میں بیٹھ کر تُجھ پر قہقہے لگاؤں گا۔"

یہ کہہ کر نجومی نے شہزادی کی گھوڑی کی لگام کو پکڑا اور اپنی لاٹھی زمین پر مار کر گو تھک شہزادی کے ساتھ فصیل کے وسط میں غائب ہو گیا۔

حیرت کی وجہ سے بادشاہ ساکت ہو گیا۔ جب اُسے ہوش آیا تو اُس نے اپنے تمام کاری گروں کو پہاڑ کھودنے کا حکم دیا تاکہ نجومی کو باہر نکالا جا سکے۔ مگر اُس کا کوئی پتا نہ چل سکا۔ پیتل کا گھُڑ سوار مینار پر اپنا نیزا سنبھالے اُس مقام کی طرف اشارہ کر رہا تھا جہاں سے ابنِ ایّوب غائب ہوا تھا۔ کبھی کبھی پہاڑی کے سینے میں سے موسیقی کی آواز اور نسوانی آواز سُنائی دیتی، اور ایک دفعہ ایک کسان بادشاہ کے پاس آیا اور اُس نے

بتایا کہ پہاڑی کے ایک شگاف سے اُس نے نجومی کو اُس شہزادی کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا تھا۔ اُس نے بتایا کہ اُس نے نجومی کو غنودگی کی حالت میں دیکھا تھا۔ بادشاہ شگاف کے پاس پہنچا۔ مگر وہ بند ہو چُکا تھا۔ اُس نے مزدوروں کو پھر حکم دیا کہ وہ کھدائی کریں تاکہ محل اور باغ تک رسائی ہو سکے، مگر وہ ناکام رہا۔ لوگ بادشاہ کو احمق سمجھنے لگے اور اس محل اور باغ کو احمقوں کی جنت کہنے لگے۔ کُچھ عرصے کے بعد بادشاہ کے وہ تمام دُشمن جنہیں وہ شکست دے چکا تھا اُس پر حملہ کرنے لگے اور اِس طرح بادشاہ کی باقی عُمر غم اور پریشانیوں کا شکار ہو گئی۔

جب بادشاہ کا انتقال ہو گیا تو اُسے اُس پہاڑ کے قریب دفنا دیا گیا جہاں آج الحمرا کے محلات کے آثار پائے جاتے ہیں۔ الحمرا کی تعمیر باغِ ارم کے نقشے کے مطابق کی گئی تھی اور وہ طلِسماتی دروازہ آج بھی وہاں موجود ہے جس کی حفاظت طلِسماتی ہاتھ اور چابی کر رہے ہیں اور یہی وہ مقام ہے

جہاں سے محل میں داخل ہوتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اِس دروازے کے نیچے آج بھی وہ کمرہ موجود ہے جس میں بُوڑھا نجومی حسین شہزادی کے نغمات سُن رہا ہے اور اُس پر غنودگی چھائی رہتی ہے۔

گرمیوں کی راتوں میں الحمرا کے چوکیداروں کو اب بھی کبھی کبھی موسیقی کے مدہم سُر سُنائی دیتے ہیں۔ الحمرا کے محلات میں پہنچ کر اِسی وجہ سے غنودگی طاری ہو جاتی ہے۔ پُرانی کہانیوں کے مطابق کہا جاتا ہے کہ آج بھی شہزادی نجومی کی قید میں ہے اور نجومی پر اُس کے مدھر گیتوں کی وجہ سے غنودگی طاری ہے اور یہ کیفیّت اُس وقت تک قائم رہے گی جب تک طلِسماتی ہاتھ چابی تک نہیں پہنچا اور پہاڑوں کا طلِسم نہیں ٹوٹتا۔

اسکندریہ کا حجام

بہت دِن ہوئے اسکندریہ میں ایک رنگ ریز اور ایک حجام رہتے تھے۔ رنگ ریز کا نام ابُو قیر اور حجام کا نام ابُو صیر تھا۔ اِن دونوں کی دُکانیں پاس پاس تھیں اور وہ دونوں ایک دوسرے کے گہرے دوست تھے، حال آں کہ اُن دونوں کی طبیعتوں میں بہت فرق تھا۔

ابُو قیر رنگ ریز، بڑا جھوٹا، مکّار اور دغا باز تھا۔ اُس کا زیادہ وقت بڑے

لوگوں کی صحبت میں گزرتا تھا۔ اپنے کاروبار میں بھی وہ صُبح سے شام تک
اپنے گاہکوں کو دھوکا دیتا رہتا تھا۔ اُس کے دھوکا دینے کے بہت سے
طریقے تھے۔ مثلاً کپڑا رنگنے سے پہلے ہی وہ گاہکوں سے پیسے لے لیتا۔ اِس
کے بعد وہ اُن کو ٹالتا رہتا۔ وہ بے چارے صُبح شام دُکان کے چکّر لگاتے اور
یہ اُن سے طرح طرح کے بہانے کرتا۔ کبھی کہتا رنگ نہیں ملا، کبھی کہتا
کہ بیوی بیمار ہے اِسی لیے کپڑے نہیں رنگ سکا، کبھی خود اپنی بیماری کا
بہانہ کرتا، کبھی یہ کہہ کر ٹال دیتا کہ مہمان آ گئے تھے اِس لیے کام نہ کر
سکا۔ آخر میں جب گاہک عاجز آ جاتے اور کہتے کہ اچھّا بھائی اگر نہیں رنگ
سکے تو ہمارے کپڑے ہی واپس کر دو۔ تو وہ اس کے جواب میں مُنہ بنا کر
کہتا:

”کیا بتاؤں اصل بات کیا ہے۔“

جب وہ اصل بات پوچھتے تو کہتا۔ ”اصل بات یہ ہے کہ میں نے خوب

اچھّی طرح رنگنے کے بعد جب کپڑا سوکھنے کے لیے باہر لٹکایا تو وہ چوری ہو گیا۔" اور پھر وہ آہستہ سے کہتا، "چور کا تو مُجھے پتا ہے لیکن پڑوس کا معاملہ ہے۔ کہوں تو کیسے کہوں کہ میرے پڑوسی حجام کو چوری کرنے کی عادت ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کو کیسے مُنہ دِکھاؤں؟"

اس کے جواب میں گاہک زیادہ تر یہی کہتے ہیں کہ خیر کوئی بات نہیں۔ گیا تو گیا، اللہ ہمیں اور دے گا۔ اور صبر کر کے رہ جاتے۔ حال آں کہ اُن کا کپڑا بھی گیا اور رنگائی کے پیسے بھی جو وہ پیشگی لے لیتا تھا۔ بعض لوگ اُس سے جھگڑا بھی کرتے لیکن رنگ ریز اپنی حرکتوں سے باز نہ آتا اور طرح طرح سے گاہکوں کو پریشان کرتا۔ اس کے گاہک کسی سے شکایت بھی نہ کر پاتے۔ قاضی کے پاس بھی کوئی نہ جاتا کیوں کہ کوئی ثبوت تو تھا نہیں۔ اگر کبھی کسی نے قاضی سے شکایت بھی کی تو رنگ ریز صاف مُکر جاتا کہ مُجھے تو اِس نے کوئی کپڑا رنگنے کو دیا ہی نہیں۔

غرض اِس طرح ابُو قیر بہت دِنوں تک اپنا کام چلاتا رہا۔ لوگوں کے پیسے لیتا، اُن کے کپڑے بیچتا اور عیش کرتا، لیکن آخر یہ سِلسِلہ کب تک چلتا۔ کُچھ دِنوں کے بعد شہر کے ہر آدمی کو معلوم ہو گیا کہ ابُو قیر رنگ ریز دھوکے باز آدمی ہے، وہ لوگوں کے پیسے بھی کھا جاتا ہے اور اُن کے کپڑے بھی بیچ ڈالتا ہے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے اُسے کپڑے رنگنے کے لیے دینا بند کر دیے، اس کا کاروبار ختم ہو گیا اور اُس کی دُکان پر سنّاٹا چھا گیا۔ وہ یہاں تک بدنام ہو گیا کہ جب لوگ کسی کو دھوکے باز کہنا چاہتے تو یہی کہتے کہ وہ تو ابُو قیر رنگ ساز ہے۔

جب ابُو قیر اِس حال کو پہنچ گیا اور اُس کی روزی بند ہو گئی تو نوبت فاقوں تک آ گئی۔ اب وہ اپنے پڑوسی ابُو صیر نائی کی دُکان پر بیٹھنے لگا۔ اب اُس کا کام یہ تھا کہ اگر کوئی بھولا بھٹکا گاہک کپڑے لے کر آتا تو یہ ابُو صیر کی دُکان سے اُٹھ کر جاتا اور اُس سے کپڑے اور پیسے لے لیتا، کپڑوں کو بازار

میں بیچ دیتا اور چند دِن کھا پی لیتا۔ اب جب وہ آدمی اپنا کپڑا لینے آتا تو یہ حجام کی دُکان میں چھُپ جاتا۔ اتّفاق سے ایک دِن ایک رئیس آدمی ابُو قیر کی دکان پر آیا اور کپڑے رنگنے کے لیے اُسے دے گیا۔ ابُو قیر نے اُس کے ساتھ بھی وہی کیا۔ اُس کے کپڑے لے جا کر بازار میں بیچ دیے۔ رئیس ایک بااثر آدمی تھا اُس نے قاضی سے شکایت کی۔ قاضی نے اپنے پیادے ابُو قیر کو پکڑنے کے لیے اُس کے ساتھ کر دیے۔ ابُو قیر نے قاضی کے پیادوں کو آتے دیکھا تو سمجھ گیا کہ اب شامت آئی ہے۔ چناں چہ وہ چُپ چاپ حجام کی دُکان سے نکل کر بھاگ گیا۔ جب پیادوں نے ابُو قیر کو نہ پایا تو اُنھوں نے اُس کی دُکان کا تالا توڑ دیا مگر دُکان میں کُچھ نہ تھا۔ قاضی کے حکم پر وہ دُکان رئیس کے حوالے کر دی گئی۔

ابُو قیر جب حجام کی دُکان پر واپس آیا تو اُس کو سارا حال معلوم ہوا۔ ابُو صیر نے اُس سے کہا۔ ”میرے بھائی، تُم لوگوں کو کیوں پریشان کرتے ہو؟

اُن کے کپڑے تک واپس نہیں دیتے ہو۔ اب تمہاری دُکان بھی ہاتھ سے گئی۔"

ابُو قیر نے جواب دیا۔ "کیا بتاؤں، جب کپڑے رنگنے آتے ہیں تو کوئی اُنہیں چوری کر کے لے جاتا ہے؟"

ابُو صیر نے کہا۔ "یہ تو عجیب بات ہے کہ ہر کپڑا چوری ہو جاتا ہے۔ کیا بات ہے کہ اِس بازار میں سوائے تمہاری دُکان کے کسی اور دُکان میں چوری نہیں ہوتی۔ سچ سچ بتاؤ کہ معاملہ کیا ہے؟" یہ سُن کر رنگ ریز نے کہا:

"سچّی بات یہ ہے کہ میرے پاس رنگنے کا سامان نہیں ہے۔ میرے حالات بہت خراب ہیں۔ میں رنگ نہیں سکتا تو واپس کس طرح دوں۔"

ابُو صیر کو اپنے پڑوسی کی حالت پر بڑا افسوس ہوا۔ وہ دِل کا بہت اچھّا تھا۔ "کوئی بات نہیں۔ تُم میرے ساتھ رہو۔ جو میں کھاتا ہوں وہ تُم کھاؤ۔

آخر میں تمہارا پڑوسی ہوں۔ میرا فرض ہے کہ میں تمہارے کام آؤں۔"

ابُو قیر کو کیا چاہیے تھا۔ وہ ابُو صیر کے ساتھ رہنے لگا۔ مُفت کی روٹی مل رہی تھی۔ ایک دِن ابُو صیر حجام نے ابُو قیر سے کہا:

"بھائی، میرا حال بھی خراب ہو گیا ہے۔ کاروبار کم ہے۔ دُکان میں آئینے ٹوٹ گئے ہیں، اُستروں کی بھی ضرورت ہے۔ میرے پاس پیسہ نہیں کہ خریدوں۔ حمام میں بھی سامان کی ضرورت ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔" ابُو قیر رنگ ریز نے کہا۔ "دیکھو بھائی، پیسے کے بغیر کاروبار نہیں ہوتا۔ میرا کام بھی اِسی وجہ سے ختم ہوا ہے اور اب تمہارا کام بھی ختم ہو رہا ہے، حال آں کہ اِس شہر میں تمہارے مُقابلے میں کوئی دوسرا حجام نہیں ہے۔ اگر تُم کہو تو میں ایک رائے دوں۔"

حجام نے کہا۔ "کیوں نہیں۔ تُم میرے دوست ہو۔ کہو تمہاری کیا رائے

ہے؟"

رنگ ریز بولا۔ "میری رائے یہ ہے کہ ہم دونوں یہ شہر چھوڑ دیں اور کسی دوسری جگہ جا کر اپنا کاروبار شروع کریں۔ تُم جانتے ہو کہ میرے جیسا کوئی دوسرا رنگ ریز اِس شہر میں نہیں ہے۔ تمہارا بھی اپنے کام میں کوئی جواب نہیں ہے، لیکن کیا کریں اِس شہر میں اب ہمارا کوئی قدر دان نہیں رہا ہے۔ مُجھے یقین ہے کہ پردیس جا کر ہماری قسمت کے دروازے کھُل جائیں گے۔ نئی جگہ ہمارا کاروبار خوب چلے گا اور ہم بہت جلد دولت مند ہو جائیں گے۔"

ابُو قیر نے سفر کے اور بھی بہت فائدے بیان کیے۔ اُس کا ابُو صیر پر بہت اثر ہوا اور اُس نے طے کر لیا کہ وہ اِس شہر کو چھوڑ کر کہیں اور چلا جائے گا۔ چناں چہ اُس نے اپنی دُکان کا سامان بیچنا شروع کر دیا۔ جب سارا سامان بِک گیا اور اُس کے پاس کُچھ روپیہ آ گیا تو دونوں نے سفر کا دِن

مقرّر کیا۔ چلنے سے پہلے ابُو قیر رنگ ریز نے ابُو صیر حجام سے کہا۔ ''آؤ ہم دونوں قرآن پاک پر ہاتھ رکھ کر یہ قسم کھائیں کہ ہم جو بھی کمائیں گے وہ مل کر خرچ کریں گے اور جب یہاں واپس آئیں گے تو جو رقم بچے گی اُس کو برابر بانٹ لیں گے۔''

ابُو صیر نیک دِل اور سادہ آدمی تھا۔ اُس نے فوراً قرآن پر ہاتھ رکھ کر یہ عہد کر لیا۔ اب یہ دونوں بندر گاہ پر پہنچے اور ایک جہاز پر سوار ہو گئے۔ اِس جہاز پر کُل ایک سو چالیس مسافر سوار تھے۔ اِن دونوں کی قسمت اچھّی تھی کہ جہاز پر کوئی حجام نہ تھا۔ رنگ ریز کو جب یہ پتا چلا تو وہ ابُو صیر سے بولا۔

''میرے بھائی، یہ بڑا اچھّا موقع ہے، جہاز پر کوئی حجام نہیں ہے۔ کیوں نہ اپنی قسمت کو یہیں آزمائیں۔ تُم اپنی قینچی اور اُسترا لے کر مسافروں کی حجامت بنانا شروع کر دو۔'' ابُو صیر نے اُس سے اتّفاق کیا اور اپنا سامان نکال

لیا۔ ایک مسافر نے جو یہ دیکھا تو کہنے لگا۔ ”بھائی، میرے بال بڑھ گئے ہیں، تُم میری حجامت بنا دو۔“

ابُو صیر نے اُس کی حجامت بنا دی۔ جب مسافر پیسے نکال کر دینے لگا تو ابُو صیر نے کہا۔

”جناب، میں یہ پیسے لے کر کیا کروں گا۔ میرے پاس کھانے کو کُچھ نہیں ہے۔ اگر کُچھ کھانے کو مل جائے تو اچّھا ہے۔ میرا ایک دوست بھی میرے ساتھ ہے۔ ہم دونوں کھا پی کر رات گزار لیں گے۔“

اُس آدمی نے ابُو صیر کر کھانا دے دیا۔ ابُو صیر وہ کھانا لے کر ابُو قیر کے پاس آیا تو وہ بہت خوش ہوا۔ دونوں نے مل کر کھانا کھایا۔ اب تو ابُو صیر یہی کام کرنے لگا اور اس کا کام خوب چل نکلا۔ وہ اور اُس کا ساتھی ابُو قیر کھانے کی طرف سے بے فکر ہو گئے۔ حجام صُبح سے شام تک کام کرتا، کِسی

سے روٹی ملتی، کسی سے پنیر، کسی سے شہد، کسی سے گوشت۔ رنگ ریز کاہل نکھٹّو دِن بھر چادر تان کر سوتا، بس کھانا کھانے کے لیے اُٹھتا، کھانا کھا کر پھر سو جاتا۔ ابُو صیر لوگوں سے بہت اخلاق سے بات کرتا۔ اگر کوئی اُسے کُچھ دے دیتا تو خوشی سے قبول کر لیتا، کسی سے حجّت نہیں کرتا۔ جہاز کے سب مسافر اُس سے محبّت کرنے لگے اور اُس کا خیال رکھتے۔

ایک روز جہاز کے کپتان کو معلوم ہوا کہ ابُو صیر نامی ایک حجام اُس کے جہاز میں سفر کر رہا ہے اور بہت اچھّے بال بناتا ہے تو اُس نے ابُو صیر کو بُلا بھیجا اور اپنے بال بنوائے۔ وہ ابُو صیر کے کام سے بہت خوش ہوا اور دیر تک اس کا حال پوچھتا رہا۔ ابُو صیر نے اُسے اپنی اور اپنے دوست کی پریشانی کا حال سُنایا۔ کپتان بہت نیک دِل تھا۔ حجام اور رنگ ریز کی پریشانی کا حال سُن کر اُسے افسوس ہوا اور ابُو صیر کے ساتھ اُسے ہمدردی پیدا ہو گی۔ اُس نے ابُو صیر سے کہا۔

”بھائی، تُمھیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تُم دونوں رات کو کھانا میرے ساتھ کھالیا کرو۔“

اُس روز شام کو ابُو صیر اپنے دوست کے پاس آیا تو کھانے کی بہت سی چیزیں اُس کے پاس تھیں۔ ابُو قیر اتنی چیزیں دیکھ کر خوش ہو گیا اور فوراً کھانے کو بیٹھ گیا۔ ابُو صیر نے اُس سے کہا۔

”آج اِسے کھانے کی ضرورت نہیں۔ اِسے رکھو کل کام آئے گا۔ آج تو جہاز کے کپتان نے ہماری دعوت کی ہے۔ ہم کھانا اُس کے ساتھ کھائیں گے۔ تُمھیں بھی اُس نے بُلایا ہے۔“

ابُو قیر نے جواب دیا۔ ”بھائی۔ کپتان کے پاس تو کھانا تُم ہی کھاؤ۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اِس لیے میں تو جاؤں گا نہیں۔ میں تو یہی کھانے کا سامان جو تُم لائے ہو کھالوں گا۔“

پھر وہ کھانے پر ٹوٹ پڑا اور جلدی جلدی دونوں ہاتھوں سے کھانے لگا۔

اِتنے میں کپتان کا نوکر آیا اور کہنے لگا کہ کپتان کھانے پر انتظار کر رہے ہیں۔ ابُو صیر نے پھر ابُو قیر سے کہا کہ اگر وہ چاہے تو چلے۔ مگر ابُو قیر نے جانے سے اِنکار کر دیا اور کہنے لگا۔ ''تُم ہی جاؤ۔ مُجھ میں تو یہاں سے ہلنے کی طاقت نہیں۔''

ابُو صیر اکیلا ہی کپتان کے پاس چلا گیا۔ اُس کو اکیلا آتے دیکھ کر کپتان نے پوچھا۔ ''کیا بات ہے، تمہارا دوست نہیں آیا؟''

''جی ہاں، وہ بیمار ہے۔ اُسے سمندر کی آب و ہوا راس نہیں آئی ہے۔'' ابُو صیر نے جواب دیا۔

کپتان نے اُسے بتایا کہ یہ بیماری نہیں۔ اُس کا دوست بہت جلد ٹھیک ہو جائے گا۔ جہاز میں شروع شروع میں بعض لوگوں کو چکّر آتے ہیں اور

طبیعت خراب رہتی ہے۔

کپتان نے ابُو صیر کو بہت محبّت سے کھانا کھلایا اور جب وہ کھانا کھا کر جانے لگا تو ایک بڑی سی رکابی کھانے سے بھر کر اُسے دیتے ہوئے کہا، ”لو یہ تمہارے دوست کے لیے ہے۔“

ابُو قیر نے حجام کو ایک بڑی سی رکابی ہاتھ میں لیے آتے دیکھا تو پوچھا۔ ”یہ کیا ہے؟

”یہ کباب ہیں۔ کپتان نے تمہارے لیے بھیجے ہیں۔ اب یہ تُم کل کھانا۔“ ابُو صیر نے جواب دیا۔

ابُو قیر میں اتنی تاب کہاں تھی۔ وہ جلدی سے رکابی پر جھپٹا اور یہ کہتے ہوئے کہ ”کل آئے گی تو دیکھا جائے گا۔“ سارے کباب اُسی وقت چٹ کر گیا۔

دوسرے دِن سے ابُوصیر کا یہ معمول بن گیا کہ دِن بھر تو وہ مسافروں کی حجامت بناتا اور شام کو نہا دھو کر کپتان کے پاس چلا جاتا اور رات کا کھانا وہیں کھاتا۔ مسافروں سے جو کھانا ملتا وہ ابُوقیر رنگ ریز ہضم کر جاتا اور رات کو کپتان جو کھانا بھیجتا وہ بھی کھا جاتا۔ اُسے کوئی کام نہ تھا سارا دِن بستر پر پڑا رہتا۔ آخر اکیس روز کے سفر کے بعد جہاز کسی بندر گاہ پر پہنچا۔ ابُوصیر اور ابُوقیر جہاز سے اُتر کر شہر میں داخل ہوئے اور ایک سرائے میں کمرا لے کر رہنے لگے۔

۲

اُنہیں نئے شہر میں آئے جب دو چار دِن ہو گئے تو ابُوصیر رنگ ریز س کہا۔

"میری تو طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ابھی میں کوئی کام نہیں کر سکتا۔ البتّہ تُم اپنا کام شروع کر دو۔ مُجھے یقین ہے کہ لوگ تمہارا کام پسند کریں گے اور تمہارا کام بہت جلد چل نکلے گا۔"

ابُو صیر فوراً تیّار ہو گیا اور اپنا حجامت بنانے کا سامان لے کر نکل پڑا۔ وہ دِن بھر شہر میں گھوما اور بہت سے لوگوں کی حجامت بنائی۔ واقعی اس کا کام بہت جلد چل نکلا اور شہر میں اس کی شہرت ہو گئی۔ ابُو صیر کو روزانہ اچھّی اُجرت مل جاتی۔ وہ شام کو اچھّے اچھّے کھانے لے کر سرائے آتا۔ ابُو قیر فوراً کھانے کو بیٹھ جاتا اور ذرا سی دیر میں سب صاف کر دیتا۔ اس طرح چالیس دِن گُزر گئے۔ ابُو صیر بے چارہ سارا دِن کام کرتا اور ابُو قیر بیماری کا بہانہ کیے سرائے میں پڑا رہتا اور مُفت کی روٹیاں توڑتا۔ ابُو صیر اپنی شرافت میں اُسے کُچھ نہ کہتا بلکہ اس کا بڑا خیال رکھتا۔ ایک دِن ابُو صیر بیمار ہو گیا اور اس کی طبیعت اتنی خراب ہو گئی کہ اُٹھنا بیٹھنا مُشکل ہو گیا۔ اس نے سرائے کے مالک سے کہا۔ ”جب تک میں بیمار ہوں، تُم مُجھے اور میرے دوست کے لیے کھانا لا دیا کرو۔ میں قیمت دے دیا کروں گا۔“

سرائے کا مالک کھانے لانے لگا۔ چند روز میں ابُو صبر کی بیماری اور بڑھ گئی

اور وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں اپنے کمرے میں پڑا رہنے لگا۔ ادھر ابُو قیر رنگ ریز نے اپنے دوست کی جو یہ حالت دیکھی تو چُپکے سے اس کے سارے روپے پیسے نکال کر سرائے سے چمپت ہو گیا۔ باہر نکل کر پہلے تو وہ نان بائی کی دُکان پر گیا اور خوب ڈٹ کر کھانا کھایا، پھر شربت والے کی دُکان پر جا کر شربت کے گلاس پر گلاس چڑھائے۔ پیسے کی اُسے پروانہ تھی کیوں کہ ابُوصیر کی محنت سے کمائی ہوئی رقم اب اُس کے پاس تھی۔

جب وہ کھانا کھا کر نِکلا تو اُسے خیال آیا کہ اس کے کپڑے بہت خراب ہیں چناں چہ اس نے اپنے لیے ایک اچھّا سا لباس خریدا اور شہر کی سیر کرنے لگا۔ ایک عجیب بات جو اِس شہر میں اس کو نظر آئی وہ یہ تھی کہ سارے لوگ، مرد اور عورت یا تو سفید کپڑے پہنے تھے یا نیلے۔ کوئی دوسرا رنگ اُسے نظر نہیں آیا۔ حتّٰی کہ جو شربت اُس نے پیا وہ بھی ہلکے نیلے رنگ کا تھا۔ اُس نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس شہر کے لوگ سفید اور نیلے رنگ

کے علاوہ کسی دوسرے رنگ سے واقف ہی نہیں ہیں۔ چناں چہ وہ ایک رنگ ریز کے پاس گیا۔ وہاں بھی اُسے نیلا رنگ ہی ایک ناند میں گھُلا نظر آیا۔ ابُو قیر نے اپنی جیب سے ایک رومال نکالا اور رنگ ریز کر دِکھا کر پوچھا۔ ”اِس رومال کے رنگنے کے کیا دام لو گے اور کِس رنگ میں رنگو گے؟“

اُس نے جواب دیا۔ ”اِس کے بیس درہم ہوں گے اور میں اِسے نیلے رنگ میں رنگوں گا۔“

ابُو قیر بولا۔ ”ارے ایک رومال کے بیس درہم اور وہ بھی نیلے رنگ میں۔ ہمارے شہر میں تو اس کے دو درہم ہوتے ہیں۔“

رنگ ریز نے کہا۔ ”اگر یہ بات ہے تو اس رومال کو اپنے شہر ہی میں رنگوا لو، یہاں تو اِس کے بیس درہم ہی ہوں گے۔“

ابُو قیر نے کہا۔ ”اچھّا چلو میں در ہم ہی لے لینا مگر اِس کو سُرخ رنگ میں رنگے دو۔“

رنگ ریز نے کہا۔ ”سُرخ رنگ کیسا ہوتا ہے۔ ہم تو ایسا کوئی رنگ نہیں جانتے۔“

ابُو قیر نے کہا۔ ”اچھّا اگر سُرخ رنگ نہیں جانتے تو ہرا ہی کر دو۔“

رنگ ریز نے جواب دیا۔ ”ہرا بھی کوئی رنگ ہے۔“

ابُو قیر نے اس کے بعد کئی اور رنگ گنوائے، پیلا، اُودا، نارنجی، بسنتی مگر ہر بار رنگ ریز نے یہی کہا کہ ایسا کوئی رنگ نہیں ہے اور وہ صرف نیلا رنگ جانتا ہے۔ اب ابُو قیر کو یقین ہو گیا کہ اِس شہر میں لوگ صرف نیلا رنگ ہی جانتے ہیں۔

اُس نے پوچھا۔ ”کیا تمہارے شہر کے دوسرے رنگ ریز بھی نہیں جانتے

کہ کوئی اور رنگ بھی ہوتا ہے؟"

رنگ ساز نے کہا۔ "یہاں اِس شہر میں کُل چالیس رنگ ریز ہیں۔ ہمارے علاوہ اِس کام کو اور کوئی نہیں کر سکتا۔ ہم رنگنے کا کام کسی کو سکھاتے بھی نہیں۔ یہ ہمارا خاندانی پیشہ ہے، ہمارے باپ دادا یہی کام کرتے آئے ہیں اور ہم نے نیلے رنگ کے علاوہ کسی اور رنگ کا نام نہیں سُنا ہے۔"

جب ابُو قیر نے یہ سُنا تو بولا۔ "بھائی میں بھی تمہاری طرح رنگ ریز ہوں۔ میں تو طرح طرح کے رنگوں میں کپڑے رنگ سکتا ہوں۔ اگر تُم مُجھے اپنی دُکان میں نوکر رکھ لو تو میں تُمہیں سارے طریقے بتا دوں گا اور تمہارے ہاں مختلف قسم کے رنگوں میں کپڑے رنگ دوں گا۔"

رنگ ریز نے جواب دیا کہ اِس شہر میں پردیسیوں کو نوکر رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔

”اچھّا تو اگر میں اپنے پیسوں سے دُکان کھول لوں تو؟“ ابُو قیر نے کہا۔

”تم یہ بھی نہیں کر سکتے کیوں کہ اِس کی اجازت نہیں ہے۔“ رنگ ریز نے جواب دیا۔

یہ سُن کر ابُو قیر وہاں سے آگے بڑھا اور ایک ایک کر کے ہر رنگ ریز کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ وہ اُس کو ملازم رکھ لیں، لیکن ہر جگہ سے اُسے ایک ہی جواب ملا کہ پردیسیوں کو ملازم رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ اُسے کسی نے دُکان کھولنے کی بھی اجازت نہیں دی۔ ابُو قیر اِس سے بڑا پریشان ہوا۔ پھر اُس نے سوچا کہ بادشاہ کے پاس جانا چاہیے شاید وہ اجازت دے دے۔ چناں چہ ابُو قیر رنگ ریز بادشاہ کے محل میں پہنچا اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔

”جہاں پناہ! میں ایک پردیسی ہوں۔ میں اپنے ملک میں رنگ سازی کا کام

کرتا تھا۔ میں چالیس رنگوں میں کپڑے رنگ سکتا ہوں، لیکن آپ کے ہاں کے رنگ ریز نہ مجھے ملازم رکھنے کو تیّار ہوتے ہیں اور نہ الگ دُکان کھولنے کی اجازت دیتے ہیں۔"

بادشاہ نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا نیلے رنگ کے علاوہ اور بھی کسی رنگ میں کپڑے رنگے جاسکتے ہیں؟"

"جی حضور۔ بہت سے رنگوں میں۔ زرد، گلابی، ہرا، سُرخ، اُودا، پیازی، کتھئی، عُنّابی۔ بہت رنگ ہیں۔ میں ہر رنگ میں کپڑا رنگ سکتا ہوں۔۔۔" ابُو قیر رنگ ریز نے جواب دیا۔

بادشاہ یہ سُن کر خوش ہو گیا اور کہنے لگا کہ اگر وہ اتنے رنگوں میں کپڑے رنگ سکتا ہے تو اُسے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ نہ صرف یہ کہ اس کو اپنی دُکان کھولنے کی اجازت ہے بلکہ اُسے دُکان خریدنے اور

سامان مہیّا کرنے کے واسطے بھی جتنی رقم کی ضرورت ہو گی وہ شاہی خزانے سے دی جائے گی۔ پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ ابُو قیر رنگ ریز کو شہر میں ایک اچھّی سی دُکان دے دی جائے اور سامان خریدنے کے لیے ایک ہزار درہم بھی دے دیے جائیں۔ بادشاہ نے ابُو قیر کو پہننے کے لیے قیمتی لباس، سواری کے لیے ایک گھوڑا اور خدمت کے لیے کئی غلام بھی دیے۔

اگلے دِن ابُو قیر کو شہر کے بیچوں بیچ اُس کی پسند کی ایک بڑی سی دُکان خالی کرا کے دے دی گئی جہاں اُس نے اپنے غلاموں کی مدد سے رنگ سازی کا ضروری سامان مہیّا کیا اور کام شروع کر دیا۔ بادشاہ نے ابُو قیر کو اپنے بہترین کپڑے رنگنے کے لیے بھجوائے۔ اُن میں سوتی، اُونی اور ریشمی سب کی طرح کے کپڑے تھے۔ ابُو قیر نے اُنہیں مختلف رنگوں میں رنگنے کے بعد دُکان کے آگے سوکھنے کو لٹکا دیا۔ جیسے ہی یہ کپڑے اُس نے

لٹکائے، لوگوں کی ایک بھیڑ اکٹھی ہو گئی۔ یہاں کے لوگوں نے اتنے

اچھّے اچھّے رنگ پہلے کہاں دیکھے تھے۔ وہ بے چارے تو صرف نیلے رنگ

ہی سے واقف تھے۔ ہر طرف ایک شور مچ گیا کہ بادشاہ کے رنگ ریز

نے بڑے خوب صورت رنگوں میں کپڑے رنگے ہیں۔ اِن کپڑوں کے

رنگوں کی ایسی شہرت ہوئی کہ جسے دیکھو وہ اُنہیں دیکھنے چلا آرہا تھا۔ لوگ

اُس سے اِن رنگوں کے نام پُوچھتے اور وہ ایک ایک کو بتاتا۔ جب بادشاہ کو

اطلاع ہوئی تو وہ خود ابُو قیر رنگ ریز کی دُکان پر کپڑے دیکھنے آیا۔ طرح

طرح کے خُوب صُورت رنگوں کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا۔ بادشاہ کے

کپڑے محل میں گئے تو ملکہ اور محل کی دوسری عورتوں نے بھی اپنے

اپنے کپڑے رنگنے کو بھیجے۔ درباریوں نے الگ اپنے کپڑے رنگنے کو

دیے۔ غرض چند ہی دِنوں میں شاہی دربار کا ہر آدمی نئے نئے رنگوں کے

کپڑے پہنے نظر آرہا تھا۔ شہر کا بھی ہر آدمی چاہتا تھا کہ ابُو قیر کے ہاں ہی

کپڑے رنگنے کو دے۔ اُس کی دُکان پر کپڑوں کا ڈھیر لگ گیا۔ دوسرے رنگ ریزوں کا کام ٹھپ ہو گیا اور وہ ابُو قیر کے پاس آئے کہ وہ اُنہیں رنگ ریزی سِکھا دے یا پھر اپنے ہاں ملازم رکھ لے، مگر ابُو قیر نے سب کو ڈانٹ کر بھگا دیا۔ اب ابُو قیر بہت مال دار ہو گیا تھا۔ اُس نے ایک شان دار حویلی اپنے رہنے کو لے لی تھی اور دُکان بھی خوب عمدہ بنا لی تھی۔ بادشاہ نے اُس کو کئی غلام اور دے دیے تھے جِن کو اُس نے رنگ ریزی کا کام سِکھا دیا تھا۔ وہی سب کام کرتے تھے اور ابُو قیر آرام سے بیٹھا رہتا تھا۔

۳

جب ابُو قیر اپنے دوست ابُو صیر حجام کو سرائے میں بیمار چھوڑ کر اور اُس کا روپیہ پیسے لے کر چلا آیا تو وہ دو دِن اور دو راتیں اِسی طرح بے حال پڑا رہا۔ سرائے کے مالک نے جب دو دِن تک ابُو صیر کو نہیں دیکھا تو وہ حال

معلوم کرنے اُس کے کمرے میں آیا۔ ابُو صیر بے چارے کو بے دم پڑا پایا۔ اُس نے اُسے سہارا دے کر اُٹھایا، پانی پلایا، پھر پوچھا کہ اُس کا کیا حال ہے اور اُس کا دوست کہاں ہے۔

ابُو صیر نے کہا۔ ”اللہ جانتا ہے ابُو قیر کہاں ہے۔ مُجھے تو کئی روز سے اپنی ہی خبر نہیں۔ اِس وقت تُم نے اُٹھایا تو ذرا ہوش آیا ہے۔ میرے پیسے اُدھر تھیلی میں رکھے ہیں، وہ نکال لو اور میرے لیے کُچھ کھانے پینے کا انتظام کرو۔ مُجھے بھُوک لگی ہے اور کم زوری محسوس ہو رہی ہے۔ کھا پی کر کُچھ طاقت آئے گی۔“

سرائے کے مالک نے کمرے میں ہر طرف ڈھونڈا، لیکن روپوں کی تھیلی نظر نہ آئی۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ حجام کے دوست کی حرکت ہے جو رقم لے کر غائب ہو گیا ہے۔ اُس نے ابُو صیر سے کہا:

”تمہارا دوست تمہاری رقم لے کر چلتا بنا ہے۔ خیر تُم پریشان نہ ہو۔ اللہ ہر ایک کی نیکی اور بُرائی کو دیکھتا ہے۔ جب تک تُم پُوری طرح صحت مند نہ ہو جاؤ گے، میں خود تمہاری دیکھ بھال کروں گا۔“

سرائے کے مالک نے جلدی جلدی شوربا تیّار کرایا اور ابُو صیر کو اُٹھا کر اپنے ہاتھوں سے پلایا، پھر اُسے آرام کرنے کر لِٹا دیا۔ دوا بھی لا کر دی۔ سرائے کے مالک نے دو مہینے تک پوری توجّہ سے ابُو صیر کی دیکھ بھال کی، یہاں تک کہ وہ صحت یاب ہو گیا۔ ایک دِن جب وہ بالکل ٹھیک ہو گیا تو سرائے کے مالک سے کہنے لگا۔

”جب بھی اللہ نے مُجھے اِس قابل کیا، میں تمہاری محبّت اور نیکی کا بدلا چُکانے کی کوشش کروں گا۔ تُم نے اِس بیماری میں جس طرح میری دیکھ بھال کی ہے، میں اُسے کبھی بھول نہیں سکتا۔“

سرائے کے مالک نے کہا۔ ”تُم بالکل فکر نہ کرو۔ اللہ کا شکر ادا کرو جس نے تمہاری بیماری دُور کی اور تمہیں پھر اِس قابل کیا کہ چل پھِر سکو۔ یہ اُسی کا فضل و کرم ہے۔“

ابُو صیر نے اپنا حجامت کا سامان اُٹھایا اور کام پر نِکل پڑا۔ جب وہ کام کی تلاش میں پھر رہا تھا تو شہر کے بیچوں بیچ اُسے ابُو قیر رنگ ریز کی دُکان نظر آئی۔ وہاں بہت بھیڑ تھی۔ اُس نے لوگوں سے پوچھا۔ ”یہ بھیڑ کیسی ہے؟“

اُنہوں نے کہا۔ ”ارے بھائی، کیا تُم اِس شہر میں اجنبی ہو؟ یہ شاہی رنگ ساز، ابُو قیر کی دُکان ہے۔ اِس نے یہاں کی کایا پلٹ دی ہے۔ ہم لوگ پہلے صرف ایک ہی رنگ سے واقف تھے۔ اِس نے تو رنگوں کی بہار لگا دی ہے۔“

ابُوصیر یہ سُن کر بہت خوش ہوا۔ آخر کار اُس کے دوست کی قسمت چمک ہی گئی۔ اُس نے سوچا کہ اُس نے بلاوجہ ابُو قیر پر شک کیا۔ دراصل وہ اِسی کام کی وجہ سے اُس کو چھوڑ کر آیا ہو گا اور اب بے چارے کو کام کی وجہ سے فرصت نہ ملتی ہو گی ورنہ وہ ضرور میرے پاس آتا۔ غالباً اُس نے میری تھیلی اِسی لیے اُٹھائی ہو گی کہ اُسے اپنے کام کے لیے روپے کی ضرورت ہو گی۔ ابُوصیر یہ سوچ سوچ کر خوش ہو رہا تھا کہ ابُو قیر اب میری مدد کرے گا۔ وہ جلدی جلدی آگے بڑھا اور بھیڑ کو چیرتا ہوا دُکان کے اندر داخل ہو گیا۔ دیکھتا کیا ہے کہ سامنے ایک تخت پر عمدہ قالین بِچھا ہے، تکیے لگے ہیں اور ابُو قیر بہترین کپڑے پہنے ٹانگ پھیلائے بیٹھا ہے۔ دونوں طرف دو دو خدمت گار کھڑے ہیں۔ اندر دس بارہ آدمی رنگائی کا کام کر رہے ہیں۔ ابُو صیر کُچھ دیر چُپ چاپ کھڑا یہ منظر دیکھتا رہا اور مُسکراتا رہا۔ اُس کا خیال تھا کہ ابُو قیر کی نظر جب اُس پر پڑے گی تو وہ دوڑ

کر اُس سے لپٹ جائے گا اور اُس کا حال پُوچھے گا۔ ابھی وہ یہ سوچ کر دِل ہی دِل میں خوش ہو رہا تھا کہ ابُو قیر کی نظر اُس پر پڑی۔ اُس نے جیسے ہی ابُو صیر کو دیکھا چیخ پڑا۔

"ابے چور کہیں کے۔ تُجھ سے کتنی مرتبہ کہا کہ میری دُکان میں قدم مت رکھنا، مگر تُو پھر آ گیا اپنی منحوس صورت لے کر۔ ارے کوئی ہے؟ پکڑو، اِسے مارو اور دھکّا دے کر دُکان سے باہر نکال دو۔"

جیسے ہی اُس نے یہ کہا، اُس کے خدمت گار آگے بڑھے، ابُو صیر کو پکڑ کر اُس کی پٹائی کرنے لگے، پھر خوب مار پیٹ کر یہ کہتے ہوئے دُکان سے دھکّے دے کر نکال دیا کہ اگر اب اِدھر آیا تو جان سے ہی مار دیا جائے گا۔

بے چارہ ابُو صیر مار کھا کر باہر آیا۔ اُسے مار سے زیادہ اپنے دوست کی بے وفائی کا دُکھ تھا۔ وہ یہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ ابُو قیر اُس کے ساتھ ایسا

سلوک کرے گا۔ اُس کا دِل ٹوٹ گیا اور وہ بے قراری سے رونے لگا۔ پھر وہ سرائے میں آکر اپنے کمرے میں خاموش لیٹ گیا۔ اُس کا بدن دُکھ رہا تھا۔ کئی جگہ سے کھال اُدھڑ گئی تھی اور خون بھی نکل آیا تھا۔ زخموں کی تکلیف سے زیادہ اُسے یہ تکلیف تھی کہ اُس کے دوست نے اُسے دھوکا دیا ہے۔ ساری رات اُس نے کروٹیں بدل کر کاٹی۔ صُبح اٹھا تو سوچا کہ حمام میں جا کر نہائے تاکہ جان میں جان آئے۔ باہر نکل کر اُس نے ایک راہ گیر سے پوچھا کہ حمام کہاں ہے۔ راہ گیر نے کبھی حمام کا نام بھی نہ سُنا تھا۔ وہ حیران ہو کر بولا۔

"حمام کیا ہوتا ہے؟"

"بھئی وہی حمام جہاں غُسل کیا جاتا ہے۔ شہر کے لوگ جہاں نہانے جاتے ہیں۔ مُجھے بھی نہانا ہے۔" ابُوصیر نے بتایا۔

راہ گیر نے گردن ہلا کر کہا۔ ”حمام تو ہم نہیں جانتے کیا ہوتا ہے۔ ہم تو سمندر کے کنارے جا کر نہاتے ہیں۔ ہمارے بادشاہ تک وہیں نہاتے ہیں۔“

جب ابُوصیر کو یہ بات معلوم ہوئی کہ واقعی شہر کے لوگ حمام کے بارے میں کُچھ نہیں جانتے تو وہ سیدھا بادشاہ کے محل پر پہنچا اور اُس نے دربان سے کہا کہ وہ بادشاہ سے ملنا چاہتا ہے، ایک بہت ضروری بات بادشاہ سے کہنا ہے۔ دربان نے محل میں اطلاع کی اور ایک پہرہ دار آکر ابُوصیر کو بادشاہ کی خدمت میں لے گیا۔ ابُوصیر نے بہت ادب سے جھُک کر بادشاہ کو سلام کیا اور پھر بولا۔

”عالی جاہ، میں آپ کے شہر میں اجنبی ہوں۔ میرا پیشہ حجام کا ہے۔ میں آپ کے شہر میں گھوما پھرا، لیکن مجُھے کہیں حمام نظر نہیں آیا۔ میں نے لوگوں سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ نہیں جانتے کہ حمام کیا ہوتا ہے۔“

بادشاہ نے کہا۔ ”یہ تو ہمیں بھی نہیں معلوم کہ حمام کیا ہوتا ہے۔ اے اجنبی تم ہمیں بتاؤ کہ حمام کیا ہوتا ہے۔“

ابُو صیر نے بادشاہ کو بتایا کہ حمام میں لوگوں کو نہلایا جاتا ہے۔ اُس کے اندر مختلف کمرے ہوتے ہیں۔ اُن کو ٹھنڈا اور گرم رکھا جاتا ہے، لوگوں کے بدن کی مالش کی جاتی ہے۔ پھر وہ کہنے لگا۔

”عالی جاہ، میں الفاظ کے ذریعہ سے حمام میں نہانے کا لُطف آپ کو نہیں بتا سکتا۔ اُسے تو وہاں نہا کر ہی محسوس کیا جا سکتا ہے۔ جب آدمی وہاں نہا کر آتا ہے تو اُس کا جسم تر و تازہ ہو جاتا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک عالی شان حمام آپ کے شہر میں بنا دوں۔“

ابُو صیر کی زبان سے حمام کی تعریف سُن کر بادشاہ کو تجسّس ہوا اور اس نے ابُو صیر سے کہا کہ وہ فوراً ایک حمام بنائے اور وہ خود اُس میں نہائے گا۔ پھر

بادشاہ نے اپنے وزیر کو حکم دیا کہ ابُو صیر کو شہر میں جو جگہ پسند آئے وہ حمام کے لیے دے دی جائے اور جتنی رقم درکار ہو وہ بھی مہیّا کر دی جائے۔ بادشاہ نے ابُو صیر کو رہنے کے لیے ایک اچھّا مکان، نوکر چاکر اور ایک گھوڑا بھی دیا۔

۴

ابُو صیر حجام نے گھوڑے پر بیٹھ کر نوکروں کے ساتھ سارے شہر کی سیر کی۔ آخر اُس کو ایک خالی جگہ پسند آ گئی۔ اس نے وہاں حمام بنانے کا حکم دیا۔ ابُو صیر کی ہدایت پر حمام کا نقشہ تیّار کیا گیا اور کاریگروں نے عمارت بنانا شروع کر دی۔ کُچھ ہی دِنوں میں عمارت بن کر تیّار ہو گئی۔ اِس کے بعد ابُو صیر نے اُس کو بہت خوب صورت طریقے سے سجایا۔ اُس میں رنگ برنگے فیتے لگائے۔ نہانے کی جگہ بہت آرام دہ بنائی۔ اچھّے نرم تولیوں کا انتظام کیا، بہترین خوشبوئیں مہیّا کیں اور جسم کی صفائی کے لیے اور بہت

سے مسالے تیّار کیے۔ اپنے نوکروں کو مالش کرنے کا طریقہ سکھایا اور چند دِن میں ماہر کر دیا۔ اب ایک عالی شان حمام تیّار تھا۔ سب سے پہلے ابُوصیر نے بادشاہ کو دعوت دی کہ حمام آ کر نہائے۔ بادشاہ خوشی خوشی تیّار ہو گیا۔

اُس دِن حمام بہت اچھّی طرح گرم کیا گیا۔ طرح طرح کی خوشبوئیں جلائی گئیں تاکہ ہوا صاف ہو جائے اور حمام میں ہر طرف خوشبو پھیل جائے۔ حمام کے صحن میں اُس نے ایک خوب صورت فوّارہ لگایا۔ اُس سے جب پانی گِرتا تھا تو ایسی آواز پیدا ہوتی تھی جیسے کوئی باجا بجا رہا ہو۔ اب حمام کی شان دیکھنے کے لائق تھی۔ بادشاہ جب اپنے درباریوں کے ساتھ حمام میں داخل ہوا تو حیران رہ گیا۔ یہاں کا ماحول اُسے بہت پسند آیا۔ پُر سکون اور صاف خوشبو سے مہکی ہوئی فضا سے اُس کی طبیعت خوش ہو گئی۔

ابُو صیر پہلے بادشاہ کو اندر لے گیا۔ وہاں اُس کے کپڑے اُتار کر اُس کے جسم کو تولیوں سے لپیٹا گیا۔ پھر دوسرے کمرے میں لے گئے جو کافی گرم تھا۔ بادشاہ کے جسم سے خوب پسینا نکلا۔ ابُو صیر اور اُس کے ملازموں نے پھر ایک تیسرے کمرے میں لے جا کر بادشاہ کے جسم سے پسینا پونچھا۔ جب پسینا خُشک ہو گیا تو ابُو صیر نے بادشاہ کے جسم کی اچھّی طرح مالش کی۔ جب مالش ہو چکی تو اُسے گرم پانی سے نہلایا گیا۔ بادشاہ کو نہلانے کے لیے ابُو صیر حجام نے بہترین مسالے اور خوشبو دار صابن استعمال کیے۔ بادشاہ کو نہا کر بہت اچھّا لگا۔ اُس کا جسم تر و تازہ اور کھال نرم ہو گئی اور وہ اپنے آپ کو ہلکا پھُلکا محسوس کرنے لگا۔ اِس کے بعد بادشاہ کو ایک اور کمرے میں لے جایا گیا جہاں اُس کے بدن کو تولیوں سے اچھّی طرح خُشک کر کے عطر ملا گیا اور شاہی لباس پہنا دیا گیا۔ بادشاہ جب نہا کر اور لباس تبدیل کر کے باہر آیا تو اللہ کا شکر ادا کیا۔ پھر وہ ابُو صیر سے کہنے لگا:

”آج تمہاری بدولت مُجھے زندگی میں پہلی بار نہانے کا اصل لُطف آیا ہے۔ بولو میں تمہیں کیا انعام دوں؟“

ابُو صیر نے کہا۔ ”عالی جاہ، یہ سب کُچھ اللہ کے فضل سے آپ ہی نے مُجھے دیا ہے۔ میری بس یہ خواہش ہے کہ آپ اکثر یہاں تشریف لاتے رہیں اور حمام میں غُسل کریں۔“

بادشاہ ابُو صیر سے بہت خوش ہوا اور اُس کو انعام میں ایک ہزار دینار دیے۔ اُس نے حکم دیا کہ حمام میں غُسل کرنے والا ہر شخص ایک ہزار دینار دیا کرے۔ اِس پر ابُو صیر نے بادشاہ سے کہا کہ وہ یہ حکم نہ دے کیوں کہ اُس کی رعایا میں امیر اور غریب سبھی ہیں۔ غریب اتنی بڑی رقم کیسے دیں گے۔ وہ یہ حکم دے کہ حمام سب کے لیے ہے اور جو جتنی حیثیت رکھتا ہو اتنی قیمت دے دیا کرے۔ چناں چہ بادشاہ نے یہی حکم دے دیا۔ بادشاہ کے نہانے کے بعد بادشاہ کے وزیروں اور امیروں کی

باری آئی۔ اُنھوں نے بھی حمام کبھی نہ دیکھا تھا۔ اُنہیں نہا کر بہت مزہ آیا اور اُنھوں نے بھی ابُوصیر کو خوب انعام دیے۔ ایک ہی دِن میں ابُوصیر مالا مال ہو گیا۔ اُس نے اپنے ملازموں کو بھی اِس موقع پر انعام میں سو سو درہم دیے جو اُن کے لیے ایک بڑی رقم تھی۔

ملکہ اور محل کی دوسری عورتوں نے بھی حمام میں نہانے کی خواہش ظاہر کی۔ بادشاہ نے ابُوصیر سے کہا۔ اُس نے ایک ہفتے کی مُہلت مانگی تاکہ اس عرصے میں کُچھ عورتوں کو نہلانے کی تربیت دی جا سکے۔ بادشاہ نے چالیس لونڈیاں ابُوصیر کو دے دیں کہ وہ اِن کو تربیت دے اور دس غلام بھی خدمت کے لیے دیے۔ ابُوصیر بڑا گھبرایا کہ اتنے بڑی ملازموں کی فوج کو وہ کہاں سے کھلائے پلائے گا۔ اُس نے بادشاہ سے کہا۔

"حضور، میں ایک معمولی آدمی ہوں۔ اتنے ملازموں کا کیا کروں گا۔ میرے پاس حمام میں کام کرنے کے لیے پہلے ہی کافی آدمی ہیں۔ میرے

لیے یہ کیا کم ہے کہ آپ نے میری اتنی قدر کی۔ میں آپ کی محبّت اور قدر دانی کو نہیں بھول سکتا۔ میں نے ہمیشہ سادہ زندگی بسر کی ہے، اب بھی ایسی ہی زندگی بسر کرنی چاہتا ہوں۔"

بادشاہ ابُو صیر کی باتیں سُن کر بہت متاثر ہوا اور اُس نے کہا۔

"واقعی، تُم سچ کہتے ہو، لیکن میں تو تمہیں یہ خدمت گار دے چکا ہوں۔ اب تُم ایسا کرو انہیں مختلف کاموں پر لگا دو اور یہ خُود کمائیں اور اپنا خرچ چلائیں۔ یہ تمہارے ہی ملازم کہلائیں گے اور جب تک یہ تمہارے پاس رہیں گے اِن کا خرچ شاہی خزانے سے ملے گا۔"

ابُو صیر نے اس پر بادشاہ کا شکریہ ادا کیا اور چلا آیا۔ ایک ہفتے میں ملکہ کی کنیزوں کو حمام میں نہلانے کی تربیت دے دی گئی اور پھر ملکہ اور اُس کی شہزادیوں اور سہیلیوں نے حمام میں آکر غُسل کیا۔ اُن کو بھی نہا کر بہت

لُطف آیا اور اُنھوں نے ابُو صیر کو خوب انعام دیے۔ ابُو صیر نے اپنی ساری رقم اکٹھّی کر کے حفاظت سے رکھ دی۔ پھر اعلان کر دیا کہ تین دِن تک حمام عام لوگوں کے لیے کھُلا رہے گا اور اُن سے نہانے کا کوئی معاوضہ نہیں لیا جائے گا۔ اِس اعلان کے بعد تو لوگ ٹوٹ پڑے۔ ہر شخص چاہتا تھا کہ حمام میں نہائے۔ چوتھے دِن سے ابُو صیر اپنی گدّی پر بیٹھ گیا اور با قاعدہ طریقے پر اپنا کاروبار شروع کر دیا۔ لوگ آتے، نہاتے اور اچھّی خاصی رقم ابُو صیر کو دے جاتے۔ اِس طرح ابُو صیر کی دولت اور شہرت دونوں بڑھتی رہیں، لیکن اُس کے مزاج اور طبیعت میں فرق نہیں آیا۔ وہ لوگوں سے اِسی طرح محبّت اور تواضع سے ملتا۔ غریبوں کے ساتھ اُس کا برتاؤ خاص طور پر بہت ہمدردی کا تھا۔ ایک روز شاہی کشتی کا کپتان آیا۔ ابُو صیر نے اُس کی بڑی آؤ بھگت کی، اُسے غُسل کرایا اور اُس کی خوب خاطر مدارت کی۔

شہر میں جب حمام کا اتنا چرچا ہوا تو ابُو قیر رنگ ساز کا بھی جی چاہا کہ جا کر دیکھے کیسا حمام ہے اور وہاں نہائے۔ چناں چہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر حمام میں پہنچا۔ دربار کے امیروں کی طرح اُس کے آگے پیچھے خدمت گار تھے۔ حمام پر ایک ہجوم لوگوں کا تھا۔ لوگ اپنی باری کا اِنتظار کر رہے تھے۔ ساری جگہ خوشبوؤں سے مہک رہی تھی۔ ابُو قیر کے خدمت گاروں نے راستہ صاف کیا اور وہ حمام کے اندر داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ اُس کا پرانا دوست ابُو صیر حجام عمدہ کپڑے پہنے سامنے تخت پر بیٹھا ہے، خدمت گار کام میں مصروف ہیں اور روپے کا ڈھیر اُس کے سامنے لگا ہے۔ وہ ابُو صیر کو خوش حال دیکھ کر جل گیا، لیکن اپنا چہرہ ایسا بنایا جیسے اُسے دیکھ کر خوش ہوا ہو۔ ہنس کر کہنے لگا:

"اچھّا تو دوست کا دوست کے ساتھ یہ سلوک ہے۔ تُم کو تو یہ بات اچھّی طرح معلوم ہو گی کہ میں شاہی رنگ ساز ہوں اور میرا شمار امیروں میں

ہوتا ہے، لیکن پھر بھی تُم مُجھ سے ملنے کبھی نہ آئے۔ تُم نے اپنے دوست ابُو قیر کو بالکل بھلا دیا۔ میں نے اپنے ملازموں کو تمہیں ڈھونڈنے کے لیے سرائے میں بھیجا، لیکن تمہارا کہیں پتا نہ چلا۔ اِس کے بعد شہر میں جگہ جگہ تلاش کرایا، لیکن تُم کہیں نہ ملے۔"

ابُو صیر نے یہ سُن کر بہت اداس ہو کر کہا۔ "اے ابُو قیر، تمہارا جواب نہیں۔ جو کُچھ میرے ساتھ سلوک کیا اس پر تمہیں کوئی افسوس نہیں، اُلٹا مُجھ سے شکایت کر رہے ہو۔ میں بیمار تھا تُم مُجھے چھوڑ کر چلے گئے۔ پھر میں تُم سے ملنے گیا تو تُم نے مُجھے چور اُچکا کہا، میری پٹائی کی اور اپنے نوکروں سے دھکّے دِلوا کر مُجھے اپنی دُکان سے نکلوا دیا۔"

ابُو قیر نے یہ سُن کر ایسی شکل بنائی جیسے اُسے سخت حیرت ہو رہی ہو اور بولا یہ تُم کیا کہہ رہے ہو۔ کیا وہ تُم تھے جس کو میرے نوکروں نے مار کر دُکان سے نکال دیا تھا؟ وہ تو ایک چور تھا۔"

ابُو صیر بولا۔ ”ہاں، وہ میں ہی تھا، تمہارا دوست ابُو صیر۔“ ابُو قیر نے جلدی سے آگے بڑھ کر ابُو صیر کا ہاتھ تھام لیا اور بولا۔

”میرے دوست معاف کرنا۔ مُجھ سے تمہیں پہنچانے میں بڑی غَلَطی ہو گئی۔ میں تو یہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ وہ تُم ہو، بھلا تمہارے ساتھ ایسا سلوک کر سکتا تھا۔ تُم اپنا نام ہی بتا دیتے تو میں تمہیں پہچان جاتا۔ خیر اب جو ہوا سو ہوا، مُجھے اللہ کے واسطے معاف کر دو۔“

ابُو صیر دِل کا بہت نیک تھا۔ اُس کے دوست نے جو اِس طرح معافی مانگی تو اُس کا دِل صاف ہو گیا۔ اس نے کہا۔ ”اللہ تمہیں معاف کرے۔ شاید میری تقدیر میں یہی لکھا ہو۔“

پھر ابُو صیر نے ابُو قیر رنگ ریز کو اپنے حمام میں غُسل کرایا اور پھر پھلوں اور شربت سے اُس کی تواضع کی۔ ابُو صیر تو اِس طرح محبّت سے اپنے

دوسرا ابُو قیر کی خاطر کر رہا تھا اور ابُو قیر دِل ہی دِل میں حجام کی خوشحالی پر جلا جا رہا تھا۔ اُس نے پوچھا۔

"اچھّا دوست یہ تو بتاؤ کہ یہ حمام وغیرہ تُم نے کیسے بنا لیا اور اتنی دولت تمہارے پاس کہاں سے آئی؟"

ابُو صیر نے رنگ ریز کو سارا قصّہ سُنایا، کِس طرح وہ بادشاہ کے پاس گیا اور کِس طرح بادشاہ نے اُس پر مہربانی کی، اُسے حمام بنوا کر دیا، رہنے کو عالی شان گھر دیا اور نوکر چاکر دیے۔ ابُو قیر یہ سُن کر اور بھی جلا کہ بادشاہ ابُو صیر پر اتنا مہربان ہے۔ پھر اُس نے جانے کی اجازت مانگی اور چلتے وقت کُچھ رقم نکال کر دینی چاہی۔ ابُو صیر نے رنگ ریز کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولا کہ دوستوں کے درمیان لین دین نہیں ہوتا۔ حمام اُس کا ہے، جب چاہے آئے اور نہائے۔ ابُو قیر چلا گیا۔

۵

چند روز کے بعد ابُو قیر رنگ ریز پھر ابُو صیر حجام کے پاس آیا اور ایک مرتبان اُسے دے کر کہنے لگا۔

"یہ لو میں نے ایک بڑا اچھّا مسالہ تمہارے لیے اپنے ہاتھوں سے تیّار کیا ہے۔ اِس کی خوبی یہ ہے کہ ایک بار ہی رگڑنے سے یہ جسم کا سارا میل کچیل نکال دیتا ہے۔ پھر جب اِسے جسم پر ملنے کے بعد پانی ڈالا جاتا ہے تو نہایت عمدہ خُوش بُو دیتا ہے۔ یہ مسالہ بہت قیمتی ہے اور محنت سے بنا ہے۔ یہ ہر کس و ناکس کے لیے نہیں ہے۔ صرف بادشاہ اور اُس کی ملکہ کے لیے ہے۔"

ابُو صیر نے اپنے دوست سے یہ مسالہ لے لیا اور اُس کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے اس کی خاطر اتنی محنت کی اور پیسہ خرچ کیا۔ ابُو صیر حجام کو کیا معلوم تھا کہ اس کا دوست اس کے ساتھ کیا چالا کی چل رہا ہے۔ ابُو قیر، ابُو صیر کے

حمام سے اُٹھ کر سیدھا بادشاہ کے پاس پہنچا اور راز داری سے حضور میں آپ کو ایک بڑی سازش سے خبر دار کرنے آیا ہوں۔ یہ جو آپ کا حجام ہے ابُو صیر، جس کے حمام میں آپ نہانے جاتے ہیں، وہ در حقیقت آپ کا دُشمن ہے۔ اُسے آپ کے دُشمن بادشاہ نے آپ کی جان لینے کے لیے یہاں بھیجا ہے۔ مُجھے خُفیہ طریقے سے معلوم ہوا ہے کہ اُس نے ایک خاص مسالہ تیّار کیا ہے جو وہ نہاتے وقت آپ کے جسم پر ملے گا اور اُس کے ملنے سے آپ کا سارا بدن جلنے لگے گا۔ میں آپ کا نمک خوار وفادار ہوں اِسی لیے آپ کو خبر دار کرنے حاضر ہوا ہوں۔" بادشاہ کا یہ سُن کر غصّے سے بُرا حال ہو گیا۔ اُس نے کہا۔

"اچھّا، ہماری مہربانیوں کا یہ صلہ۔ ہم ابُو صیر کو ایسی سزا دیں گے کہ لوگوں کو عبرت ہو۔ مگر ہم پہلے اُس کا خود امتحان لیں گے۔"

دوسرے دِن بادشاہ اپنے وزیروں کے ساتھ ابُو صیر کے حمام میں گیا۔ ابُو

صیر نے تمام انتظامات درست کر رکھے تھے، بادشاہ کے پہنچنے پر اس کا شان دار طریقے سے استقبال کیا اور کہا، حضور اندر حمام میں تشریف لے چلیں۔ آج میں ایک خاص مسالے سے آپ کو نہلاؤں گا۔ بادشاہ کو یہ سُن کر ابُو قیر کی بات کا اور بھی یقین آ گیا۔ وہ کہنے لگا۔ ''نہیں اِس مسالے سے آج پہلے ہمارا ایک وزیر نہائے گا۔''

ابُو صیر نے کہا۔ ''جو حکم ہو۔''

پھر وہ وزیر کو حمام میں لے گیا۔ جوں ہی اُس نے وہ مسالہ اس کے بدن پر لگایا وزیر کا بدن جلنے لگا اور وہ چیخ اُٹھا۔ اُسی وقت بادشاہ کے سپاہی جو تیّار کھڑے تھے حمام میں گھُس گئے اور اُنھوں نے ابُو صیر کو گرفتار کر لیا۔ ابُو صیر بہت گھبرایا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ حمام بند کر دیا جائے اور ابُو صیر کو چونے کے بورے میں بند کر کے سمندر میں ڈال دیا جائے۔ سپاہی ابُو صیر حجام کو پکڑ کر لے گئے اور سرکاری کشتی کے کپتان

کے حوالے کر دیا جس کا یہ کام تھا کہ مجرموں کو بوری میں بند کر کے سمندر میں پھینک آتا تھا۔ یہ کپتان وہی تھا جس کی ابُو صیر نے بڑی خدمت کی تھی۔ وہ ابُو صیر کو بورے میں بند کرنے کی بجائے خاموشی سے اپنی کشتی میں بِٹھا کر ایک قریبی جزیرے میں لے گیا اور اُس سے پوچھا کہ کیا ماجرا ہے۔ اُس نے ایسا کیا جُرم کیا ہے جس کی اتنی بڑی سزا کا بادشاہ نے حکم دیا ہے۔

ابُو صیر نے کہا۔ ”قسم ہے مجھے اپنے رب کی جس نے مُجھے پیدا کیا ہے، میں بے قصور ہوں۔ مُجھے نہیں معلوم کہ کیا ہوا ہے۔“

پھر اُس نے بادشاہ کے حمام میں آنے کا ذکر کیا اور بتایا کہ کِس طرح اُس نے بادشاہ کے حکم پر جب وزیر کو نہلانے کے لیے اُس کے بدن پر مسالہ لگانا شروع کیا تو وہ چیخنے لگا۔

کپتان یہ قصّہ سُن کر کہنے لگا۔

”یہ تمہارے کسی دُشمن کی حرکت ہے۔ کُچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کسی کی بھلائی نہیں چاہتے۔ وہ دوسروں کی ترقّی سے جلتے ہیں اور اُن کو نقصان پہنچانے میں لگے رہتے ہیں۔ تمہارا دُشمن بھی انہی بد باطن اور حاسد لوگوں میں سے ہے، لیکن خیر، جسے اللہ رکھے، اُسے کون چکھّے۔ اگر تُم بے قصور ہو تو تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ فی الحال تُم خاموشی سے اِس جزیرے میں رہو۔ یہاں کسی کو تمہارے بارے میں پتا نہیں چلے گا۔ جیسے ہی کوئی جہاز اِدھر آئے گا میں تمہیں تمہارے وطن پہنچوا دوں گا۔“

ابُوصیر نے کپتان کی اِس مہربانی کا شکریہ ادا کیا اور کہنے لگا۔ ”میں نہیں جانتا کہ کوئی میرا دُشمن بھی ہے، لیکن تُم نے ایک بے گناہ کی جان بچائی ہے، اللہ تمہیں اِس کا اجر دے گا۔“

کپتان اُسے جزیرے میں چھوڑ کر واپس آیا اور محل میں جا کر بادشاہ کو اطلاع کی کہ ابُو صیر حجام کو بورے میں بند کر کے بیچ سمندر میں پھینک دیا گیا ہے۔ بادشاہ اُس وقت سمندر کے کنارے اپنے محل کی کھڑکی میں کھڑا سمندر کا نظّارہ کر رہا تھا۔ اُس نے یہ سُن کر خوشی سے تالی جو بجائی تو اُس کی ہیرے کی انگوٹھی اُنگلی سے نِکل کر سمندر میں گِر گئی۔ یہ کوئی معمولی انگوٹھی نہیں تھی، یہ بادشاہت کی نشانی تھی۔ جِس کے ہاتھ میں یہ انگوٹھی ہوتی وہی اِس سلطنت کا بادشاہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ گویا ساری طاقت اِسی انگوٹھی میں تھی۔ بادشاہ کے ہاتھ سے انگوٹھی کے گِرتے ہی اُسے یوں لگا جیسے اُس کی ساری طاقت ختم ہو گئی، لیکن وہ کُچھ نہیں کر سکتا تھا۔ سمندر میں اُس وقت تیز لہریں اُٹھ رہی تھیں۔ وہ خاموش دیکھتا رہ گیا۔ اُس نے کسی کو بھی یہ نہیں بتایا کہ کیا ہوا۔ کیوں کہ اگر وہ یہ بتا دیتا کہ شاہی انگوٹھی اب اُس کے ہاتھ میں نہیں ہے تو اُسی وقت اُس کی

بادشاہت کا خاتمہ ہو جاتا۔

٦

اُدھر جزیرے میں، ابُو صیر کو بے کار بیٹھے کئی دِن گُزر گئے تھے۔ اُس نے سوچا کہ مچھلی پکڑ کر بھُونے اور کھائے۔ چناں چہ اُس نے پانی میں ڈور ڈالی اور بیٹھ گیا۔ جلد ہی ایک بڑی سی مچھلی کانٹے میں پھنس گئی۔ وہ اُسے لے آیا اور پکانے کے لیے جو اُس کا پیٹ چاک کیا تو ایک خوب صورت انگوٹھی نکل آئی۔ یہ وہی انگوٹھی تھی جو بادشاہ کے ہاتھ سے سمندر میں گِر گئی تھی، اُس نے وہ انگوٹھی پہن لی۔ اُسی وقت کپتان وہاں پہنچا۔ اُس کی نظر فوراً اُس انگوٹھی پر پڑی اور وہ حیران ہو کر بولا۔

"ابُو صیر، اللہ تُم پر رحم کرے، یہ انگوٹھی تمہارے پاس کہاں سے آئی؟"

ابُو صیر نے بتا دیا کہ اُسے یہ انگوٹھی کس طرح ملی ہے۔ کپتان نے کہا۔

"ابُو صیر، یہ شاہی انگوٹھی ہے۔ جس کے ہاتھ میں یہ انگوٹھی ہوتی ہے ہو ہمارے مُلک کا بادشاہ سمجھا جاتا ہے، اب تُم ہمارے بادشاہ ہو۔ طاقت تمہارے ہاتھ میں ہے۔"

ابُو صیر یہ سُن کر بڑا حیران ہوا اور دِل میں سوچنے لگا کہ کیا اللہ کی قدرت ہے۔ کل تک میں مجرم تھا اور آج طاقت میرے ہاتھ میں۔ وہ فوراً سجدے میں گِر پڑا اور اللہ کا شُکر بجالایا۔ پھر اُس نے کپتان سے کہا کہ وہ اُسے بادشاہ کے پاس لے چلے۔ کپتان اُسے فوراً کشتی میں بِٹھا کر لے چلا۔ ساحل پر پہنچ کر وہ کپتان کے ساتھ محل کی طرف روانہ ہوا۔ جِس وقت وہ محل میں پہنچا، شاہی دربار لگا تھا۔ وزیر، امیر، فوج کے سردار، درباری سب موجود تھے۔ بادشاہ کے چہرے سے پریشانی ٹپک رہی تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ جوں ہی لوگوں کو پتا چلے گا کہ اُس کے پاس اب بادشاہت کی انگوٹھی نہیں ہے تو وہ اُسے تخت سے اُتار دیں گے۔ اُس نے ابھی تک

کسی کو بھی اِس بات کا پتا نہیں چلنے دیا تھا، لیکن یہ بات کب تک چھُپی رہ سکتی تھی۔

ابُو صیر محل میں داخل ہوا اور دربار میں پہنچ کر بادشاہ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ بادشاہ نے جو اُس کو دیکھا تو غصّے میں آ گیا پھر اُس نے چمک کر سلام کیا تو شاہی انگوٹھی پر اُس کی نظر پڑی جو ابُو صیر اپنی انگلی میں پہنے تھا۔ اب تو وہ سنّاٹے میں آ گیا۔ انگوٹھی میں لگا ہوا ہیرا سورج کی طرح چمک رہا تھا اور دربار میں موجود ہر شخص کی نگاہ اُس پر پڑ رہی تھی اور وہ حیرانی سے ابُو صیر کو دیکھ رہے تھے۔

ابُو صیر حجام نے آگے بڑھ کر بادشاہ کے ہاتھ چومے اور کہنے لگا۔

"عالی جاہ، میں آپ کا خادم ابُو صیر ہی ہوں جسے آپ نے موت کی سزا دی تھی۔ لیکن اللہ بڑا ہے۔ وہ جسے چاہے زندہ رکھے، جسے چاہے موت

دے۔ میں بے قصور تھا، مُجھے اُس نے بچا لیا اور شاہی انگوٹھی بھی اپنی رحمت سے مُجھے عطا کر دی، لیکن میں آپ کا احسان مند ہوں۔ آپ نے مُجھ پر بہت مہربانیاں کی ہیں۔ یہ بادشاہی انگوٹھی آپ ہی کو مبارک ہو۔"

یہ کہہ کر اُس نے انگوٹھی اپنی انگلی سے اُتار دی اور بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دی۔ پھر اُس نے بتایا کہ یہ انگوٹھی کِس طرح اُس کے ہاتھ آئی اور وہ اُس کو لے کر بادشاہ کے پاس یہ ثابت کرنے آیا ہے کہ وہ اُس کا وفادار ہے۔ دربار میں موجود ہر شخص نے ابُو صیر کی تعریف کی۔ بادشاہ نے اُٹھ کر ابُو صیر کو گلے لگایا اور کہنے لگا۔ "ابُو صیر، تُم ایک نیک اور صاف دِل انسان ہو۔ میں نے تمہیں سمجھنے میں غَلَطی کی اور ابُو قیر رنگ ساز کی باتوں میں آکر تمہیں موت کی سزا دے بیٹھا۔ اُس نے تمہیں دُشمن کا آدمی بتایا تھا جو مُجھے اور میرے وزیروں کو ہلاک کرنے کے لیے آیا ہے۔ اُس نے مُجھے یہ بتایا تھا کہ تُم ایک زہریلے مسالے کے ذریعہ سے جس

سے بدن میں آگ لگ جاتی ہے مُجھے مارنا چاہتے ہو۔ میں نے اپنے ایک وزیر پر اِس مسالے کی آزمائش بھی کرائی اور واقعی اِس مسالے کے لگنے سے وزیر کا بدن جلنے لگا۔ بتاؤ پھر میں کیسے تمہیں دُشمن نہ سمجھتا۔"

یہ سُن کر ابُو صیر حجام کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ بولا۔ "عالی جاہ، یہ مُجھ پر جھوٹا الزام ہے۔ میں تو ایک معمولی حجام ہوں جو آپ کی مہربانی سے عزّت دار بنا۔ ہاں ابُو قیر رنگ ریز بے شک میرا دوست ہے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ مُجھ پر اتنا بڑا الزام لگائے گا۔ ہم اسکندریہ کے رہنے والے ہیں۔ ہماری دُکانیں پاس پاس تھیں۔ ہم روزگار کی تلاش میں اپنے وطن سے نکلے اور قسمت ہمیں یہاں لے آئی۔ آپ کی مہربانی سے ابُو قیر ایک معمولی رنگ ریز سے امیر بن گیا اور میں جو کُچھ ہوں آپ کے سامنے ہوں۔ ابُو قیر نے میرے ساتھ جو کُچھ کیا، وہ اب میں آپ کو سنائے دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر ابُو صیر نے جہاز میں سوار ہونے سے اب تک سارا واقعہ بادشاہ کو سُنا دیا اور بتایا کہ کِس طرح وہ سرائے میں اُسے بیماری کی حالت میں چھوڑ کر اُس کی ساری رقم لے بھاگا۔ پھر کِس طرح مار پیٹ کر اُسے اپنی دُکان سے نکلوایا، پھر کیسے اُس کے حمام میں آیا اور کِس بہانے سے مسالہ دیا اور پھر بادشاہ کو اُس کے خلاف بھڑکایا۔ اس نے کہا کہ اُس کے ملازم گواہ ہیں کہ یہ مسالہ ابُو قیر بنا کر لایا اور خود لا کر اُسے دیا۔ یہ اُس کی بے وقوفی تھی کہ وہ اپنے دوست پر بھروسا کر بیٹھا۔

بادشاہ کو ابُو صیر کا قصّہ سُن کر بہت افسوس ہوا کہ ایسے شریف اور نیک دِل آدمی کے ساتھ یہ برتاؤ ہوا اور ابُو قیر پر بہت غصّہ آیا۔ اُس نے حکم دیا کہ فوراً ابُو قیر کو دربار میں لایا جائے۔ اُس نے ابُو صیر کے خدمت گاروں کو بھی طلب کیا تاکہ وہ ابُو قیر کے خلاف گواہی دیں۔ ابُو قیر رنگ ریز اپنی دُکان میں آرام سے بیٹھا تھا۔ وہ خوش تھا کہ اُس نے ابُو صیر حجام کو چالا کی

سے ٹھکانے لگا دیا۔ سپاہیوں نے جا کر کہا کہ ابُو قیر کو بادشاہ نے طلب کیا ہے۔ وہ جلدی جلدی اُٹھا اور بہترین لباس پہن کر یہ سوچتا ہوا دربار کی طرف چلا کہ شاید بادشاہ نے اُسے ابُو صیر کی سازش کے بارے میں آگاہ کرنے پر انعام دینے کو بُلایا ہے۔ لیکن جب وہ دربار میں پہنچا اور ابُو صیر اور اُس کے خدمت گاروں کو بادشاہ کے پاس کھڑے دیکھا تو گھبرا گیا۔ بادشاہ غصّے میں بھرا بیٹھا تھا۔ ابُو قیر کو دیکھتے ہی بولا۔

"او بد بخت انسان، مخلص دوستوں کے ساتھ کیا ایسا ہی سلوک کرتے ہیں جو تُو نے ابُو صیر کے ساتھ کیا۔ اس نیک انسان نے تُجھ پر اتنے احسان کیے، اور تُو نے اِس کو موت کے مُنہ تک پہنچا دیا۔ اللہ کا فضل نہ ہوتا تو یہ مر چُکا ہوتا اور میں بھی تیرے ساتھ گناہ گار ہوتا۔"

پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ ابُو قیر کو چونے کی بوری میں بند کر کے دُور سمندر میں ڈال دیا جائے اور اِس کی ساری جائیداد، روپیہ پیسہ سب ابُو صیر

کو دے دیا جائے۔

ابُو صیر یہ سُن کر آگے بڑھا اور بڑے ادب سے بادشاہ سے کہنے لگا۔

"عالی جاہ، بے شک اِس شخص نے جو میرا دوست تھا میرے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا، لیکن میں نے اِس کا قصور معاف کیا، آپ بھی اِس کا قصور معاف کر دیجیے۔"

بادشاہ نے کہا۔ "تُم ایک نیک انسان ہو ابُو صیر، لیکن یہ شخص بہت بُرا ہے۔ اِس کو سزا ضرور ملنی چاہیے۔ اِس سے کبھی بھی بھلائی کی توقّع نہیں کی جا سکتی۔ دیکھو، تُم نے اِس کے ساتھ ہمیشہ بھلائی کی مگر اِس نے تمہارے ساتھ ہمیشہ بُرائی کی۔"

پھر سپاہی ابُو قیر رنگ ریز کو گھسیٹے ہوئے دربار سے لے گئے۔ اُسے چونے کی بوری میں بند کر کے سمندر میں ڈال دیا گیا جہاں وہ پانی میں جل کر مر

گیا۔

ابُو صیر کا دِل اب اُس جگہ سے کھٹّا ہو گیا تھا۔ اُس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ اُسے اسکندریہ واپس جانے کی اجازت دی جائے۔ بادشاہ کی خواہش تھی کہ ابُو صیر اُس کے پاس رہے۔ وہ اُس کو اپنا وزیر بنانا چاہتا تھا، لیکن جب ابُو صیر نے بہت اصرار کیا تو بادشاہ نے اُسے اور بہت سامال و دولت دے کر اُس کے وطن واپس بھجوادیا۔ وطن پہنچ کر ابُو صیر بہت خوش ہوا۔ اپنی دولت کو اُس نے غریبوں اور ضرورت مندوں کی مدد کرنے پر خرچ کیا اور اپنی باقی زندگی بہت چین و آرام سے گزاری۔

بارہ نوجوان

پرانے زمانے میں ایک بادشاہ تھا۔ اُس کا ایک بیٹا تھا۔ شہزادہ بڑے ناز و نعم میں پلا تھا اور بادشاہ اُسے بہت چاہتا تھا۔ جب وہ جوان ہوا تو ایک دوسرے مُلک کی شہزادی پر عاشق ہو گیا۔ یہ شہزادی شہزادے کو اُس قدر پسند آئی تھی کہ وہ ہر وقت اُسی کے خیال میں رہتا تھا اور اکثر اُسے ملنے جاتا تھا۔

ایک روز کا ذکر ہے، شہزادہ شہزادی کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور وہ دونوں دُنیا بے نیاز آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ اچانک شہزادے کو ایک بُری خبر ملی۔ اُس کا باپ شدید بیمار تھا اور اُس کے بچنے کی کوئی اُمّید نہ تھی۔ شاہی خادموں نے شہزادے کو بتایا:

"بادشاہ سلامت کی بڑی تمنّا ہے کہ وہ مرنے سے پہلے ایک بار شہزادے کو ضرور دیکھ لیں۔"

جیسے ہی شہزادے نے یہ سُنا وہ اُسی وقت جانے کے لیے تیّار ہو گیا اور شہزادی سے کہنے لگا:

"مُجھے فوری طور پر جانا چاہیئے۔ میں تُم سے کُچھ عرصے کے لیے جُدا ہو رہا ہوں۔"

جب شہزادہ جانے لگا تو شہزادی اُداس ہو گئی اور اُس کی آنکھوں میں آنسو

آ گئے۔ شہزادے نے اُسے تسلّی دی اور ایک انگوٹھی دیتے ہوئے کہا۔

”یہ انگوٹھی اپنے پاس رکھنا۔ تمہیں یہ میری یاد دِلائے گی۔ تُم سے میرا وعدہ ہے کہ جب میں بادشاہ بنوں گا تو تمہیں ملکہ کی حیثیت سے اپنے پاس بُلالوں گا۔“

اُس نے اتنا کہا اور گھوڑے پر سوار ہو کر چل دیا۔ جس وقت وہ شاہی محل میں پہنچا تو واقعی بادشاہ آخری دموں پر تھا اور تمام لوگ اُس کے اِرد گرد جمع تھے۔ وہ بھی باپ کی مسہری کے پاس گیا اور غم ناک نظروں سے اُسے دیکھنے لگا۔ جب بادشاہ کو بتایا گیا کہ شہزادہ آ گیا ہے تو اُس نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں اور پھر نحیف آواز میں بولا۔

”پیارے بیٹے! میں مرنے سے پہلے تمہیں ایک بار ضرور دیکھنا چاہتا تھا۔ اچھّا کیا تُم آ گئے۔“

شہزادہ سر جھکائے کھڑا اپنے باپ کی بات سُن رہا تھا۔ بادشاہ نے اُسے پیار کی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بیٹا! میرا آخری وقت ہے۔ میری ایک تمنّا ہے، مُجھ سے وعدہ کرو کہ تُم پوری کرو گے۔"

"آپ فرمائیں۔ میں اُسے ضرور پوری کروں گا۔" شہزادے نے بڑے ادب اور فرماں برداری سے جواب دیا۔ اِس پر اُس کا باپ کم زور آواز میں بولا۔

"مُجھ سے وعدہ کرو کہ تُم اُسی لڑکی سے شادی کرو گے جس کے بارے میں تمہیں میں کہوں گا۔"

اور اِس کے ساتھ ہی اُس نے ایک اور بادشاہ کی بیٹی کا نام لیا اور کہا۔

"تمہیں اُسی سے شادی کرنی چاہیے۔ یہی میری تمنّا ہے اور یہی میری

وصیّت۔"

جیسے ہی شہزادے نے یہ سُنا وہ اداس ہو گیا اور سوچ میں پڑ گیا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مرتے ہوئے باپ کو کیا جواب دے۔ اگر وہ اِنکار کرتا تو باپ کی آخری خواہش پوری نہ ہو سکتی تھی جس کو پورا کرنے کا اُس نے وعدہ کیا تھا اور اگر وہ ہاں کر دے تو اُس کی اپنی تمناؤں کا خون ہو تا تھا۔ اُس نے اپنی پسند کی شہزادی سے جو وعدے کیے تھے وہ سب جھوٹے ہوتے تھے۔ وہ بڑا پریشان تھا اور دوسری طرف بادشاہ کا آخری وقت آ گیا تھا۔ اُس وقت گو اُس کا دِل نہیں چاہتا تھا، لیکن وہ مجبور تھا۔ آخر اُس نے باپ کی خواہش پر اپنا پیار قربان کر دیا اور دھڑکتے دِل سے کہا۔

"ابّا جان! جیسے آپ کی تمنّا ہے ویسے ہی ہو گا۔ میں اُسی لڑکی سے شادی کروں گا جس کے بارے میں آپ نے کہا ہے۔"

شہزادے کی یہ بات سُن کر بادشاہ کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اُس کی آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند ہو گئیں۔

بادشاہ کی وفات کے بعد شہزادے کی تاج پوشی کی گئی اور اِس طرح اب وہ تخت کا مالک تھا۔ چند روز تک بادشاہ کی موت کا سوگ منایا گیا اور جب سوگ کے دِن پورے ہو گئے تو نیا بادشاہ اپنے وزیروں، امیروں سے کہنے لگا۔

"اب وعدے کے مطابق مُجھے اپنے باپ کی آخری تمنّا پوری کرنی چاہیے۔"

چناں چہ اُسی وقت اُس بادشاہ کے پاس ایلچی بھیج دیے گئے جِس کی بیٹی سے اُس کی شادی ہونی تھی۔ جب ایلچی رشتے کا پیغام لے کر شہزادی اور اس کے باپ کے پاس پہنچے تو اُس نے فوراً اُسے منظور کر لیا۔ اِس طرح

چند ہی روز میں بڑی دھوم دھام سے منگنی ہو گئی اور شادی کا دِن طے کر دیا گیا۔

دوسری طرف جب یہ خبر اُس شہزادی کو پہنچی جو شہزادے سے محبّت کرتی تھی اور جسے کبھی شہزادہ بھی دِل و جان سے چاہتا تھا تو وہ غم سے نڈھال ہو گئی۔ اُس کی بُری حالت ہو گئی اور اُس نے اِس دُکھ میں کھانا پینا چھوڑ دیا۔ اُس کے باپ نے جب اپنی بیٹی کی یہ حالت دیکھی تو وہ بھی اُداس ہو گیا مگر وہ بادشاہ ہونے کے باوجود اِس سِلسِلے میں اُس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ اُس نے شہزادی کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

”پیاری بیٹی! تُم اِس قدر اُداس کیوں ہو۔ اپنی حالت کو سنبھالو۔ ہونے والی بات تو ہو گئی۔ اب پچھتانے سے کیا حاصل!“

پھر وہ اُسے تسلّی دیتے ہوئے بولا۔

”تمھیں اللہ نے ہر چیز دی ہے۔ تمھاری جو بھی تمنّا ہے مُجھ سے کہو، میں اُسے بر صورت میں پوری کروں گا۔“

جواب میں شہزادی نے کُچھ دیر سوچا اور پھر کہنے لگی۔

”ابّا جان! مُجھے گیارہ ایسی لڑکیاں چاہیں جو شکل و صورت، رنگ ڈھنگ اور قد و قامت میں بالکل مُجھ سے مشابہ ہوں۔ اُن میں اور مُجھ میں بال برابر فرق نہیں ہونا چاہیے۔ اگر میں اُن میں مل جاؤں تو مُجھے کوئی پہچان نہ سکے۔“

بادشاہ نے یہ سُنا تو کُچھ سوچ میں پڑ گیا۔ دِل میں سوچنے لگا بیٹی نے بہت مُشکل کام بتایا ہے تاہم وہ اپنی بیٹی کی ہر خواہش پوری کرنے کے لیے تیّار تھا۔ اِسی لیے کہنے لگا:

”اگر چہ تمھاری یہ تمنّا پوری کرنا بہت مُشکل ہے، اِس کے باوجود میں

تمہاری خواہش پوری کرنے کی کوشش کروں گا، خواہ کچھ بھی کیوں نہ کرنا پڑے۔ میں ایسی گیارہ لڑکیاں ضرور تلاش کروں گا۔"

اِس طرح وہ شہزادی کو تسلّی دے کر چلا گیا اور اُس نے اُسی وقت حکم دیا کہ پورے ملک میں شاہی خادم بھیجے جائیں اور گیارہ لڑکیاں تلاش کی جائیں جو ہو بہو شہزادی کی ہم شکل ہوں۔ قد و قامت میں اُن میں اور شہزادی میں کوئی فرق نہ ہو اور اُن کا رنگ ڈھنگ بھی بالکل شہزادی کی طرح ہو۔

حکم کی دیر تھی، اُسی وقت پورے ملک میں آدمی بھیج دیے گئے اور اِس طرح شہزادی کی ہم شکل گیارہ لڑکیوں کی تلاش شروع ہو گئی۔ اِسی طرح کئی روز گُزر گئے اور آخر کار ایسی لڑکیاں مل گئیں جو ہو بہو شہزادی کی طرح تھیں۔ اُن کی شکل وصورت، رنگ ڈھنگ اور قد و قامت میں بال برابر فرق نہیں تھا اگر اُن کو شہزادی کے ساتھ کھڑا کر دیا جاتا تو کوئی

پہچان نہ سکتا تھا کہ اِن میں شہزادی کون سی ہے؟ جب بادشاہ کو اِس بات کی خبر دی گئی تو وہ بے انتہا خوش ہوا۔ اُسے جس بات کی توقّع نہیں تھی وہ پوری ہو گئی تھی۔ وہ خوش ہو کر بولا۔

"لڑکیوں کو ہمارے سامنے پیش کیا جایٔے۔ ہم خود دیکھیں گے کہ اِن میں اور شہزادی میں کوئی فرق تو نہیں؟" جوں ہی بادشاہ نے لڑکیوں کو دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا، اُس کے ساتھ ہی گیارہ لڑکیاں پیش کر دی گئیں جنہیں دیکھ کر بادشاہ سخت حیران رہ گیا۔ واقعی اُن میں اور شہزادی میں کوئی فرق نہیں تھا۔ اُسے ہر لڑکی اپنی بیٹی دِکھائی دے رہی تھی۔ وہی شکل و صورت، وہی قد و قامت، وہی رنگ ڈھنگ اور وہی چال ڈھال۔ اُس نے اُسی وقت شہزادی کو طلب کیا اور کہا۔

"لو بیٹی، تمہاری تمنّا پوری کر دی گئی ہے۔ گیارہ لڑکیاں حاضر ہیں جو ہر بات میں بالکل تمہاری طرح ہیں۔ اگر تُم اُن کے ساتھ کھڑی ہو جاؤ تو

تمھیں کوئی پہچان نہ سکے گا۔"

شہزادی نے دیکھا تو وہ بھی حیران رہ گئی۔ حقیقت میں خود اُسے بھی اِس کا یقین نہیں تھا کہ ایسی لڑکیاں مل جائیں گی اور اب جب کہ وہ مِل گئی تھیں تو اُس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا تھا۔ اُس نے بادشاہ کا شکریہ ادا کیا اور لڑکیوں کو ساتھ لے کر اپنے محل میں چلی گئی۔

شہزادی نے اُسی وقت شاہی درزی کو طلب کیا اور جب وہ آگیا تو اُس سے کہنے لگی:

"شکاریوں کے بارہ مردانہ لباس تیّار کرو۔ یہ لباس بالکل ایک رنگ اور ایک ہی طرح کے ہوں۔ اُن میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہیے۔" جواب میں درزی سر جھکا کر بولا۔

"شہزادی صاحبہ! آپ کے حکم کی تعمیل ہو گی۔" اور پھر جب درزی نے

شکاریوں کے بارہ لباس تیّار کر دیے تو شہزادی نے گیارہ لڑکیوں کے ساتھ خود بھی وہی لباس پہن لیا۔ ایک تو اُن سب کی شکل وصورت ہو بہو ایک سی تھی، پھر قد و قامت میں بھی کوئی فرق نہیں تھا، اِس پر اُنہوں نے ایک ہی رنگ کے ایک ہی سے لباس پہن لیے تھے اِس لیے اب اُن میں ناموں کے سوا کوئی فرق باقی نہیں رہا تھا۔ جب وہ تمام شکاریوں کا مردانہ لباس پہن چُکیں تو شہزادی تمام لڑکیوں کو اپنے ساتھ لے کر بادشاہ کے سامنے حاضر ہوئی۔ بادشاہ نے جب اُنہیں ایک ساتھ دیکھا تو واقعی وہ اپنی بیٹی کو نہ پہچان سکا۔ شہزادی نے جب بادشاہ کی حیرانی دیکھی تو خُود ہی آگے بڑھ کر سلام کرکے بولی۔

"آپ نے میری تمنّا پوری کر دی۔ اب دوسری تمنّا بھی پوری کیجئے۔"

"وہ کیا ہے؟ ہمیں بتاؤ ہم ضرور پوری کریں گے؟" بادشاہ نے بیٹی کو پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ابّا جان! ہمیں چند روز کے لیے اجازت دیجیے۔ ہم شکار کے لیے جانا چاہتی ہیں۔"

شہزادی نے اجازت طلب کی جس پر بادشاہ بولا۔

"شکار کے لیے ضرور جاؤ مگر اپنی حفاظت کے لیے خادم ساتھ لے جاؤ۔"

"نہیں ابّا حضور۔ ہمیں خادموں کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اپنی حفاظت خود کر سکتی ہیں۔" شہزادی نے عرض کیا جو اُس وقت مردانہ شکاری لباس پہن کر بالکل ایک خوبصورت نوجوان نظر آ رہی تھی۔ بادشاہ نے ایک نظر تمام لڑکیوں پر ڈالی۔ اُس نے دیکھا، اِس وقت بارہ لڑکیاں نوجوانوں کے روپ میں کھڑی تھیں۔ اُنہیں کوئی پہچان نہ سکتا تھا کہ وہ لڑکیاں ہیں۔

"ابّا جان آپ بے فکر رہیں۔ ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔" شہزادی

نے بادشاہ کو یقین دِلاتے ہوئے کہا۔ بادشاہ کا جی تو نہیں چاہتا تھا کہ اُنہیں خادموں کے بغیر جانے کی اجازت دے، لیکن جب شہزادی نے زیادہ اصرار کیا تو وہ مجبور ہو گیا۔ کہنے لگا،

”ہماری طرف سے تمہیں اجازت ہے۔ مگر اپنی حفاظت سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہ ہونا۔“

اِس طرح جب بادشاہ نے اُنہیں اجازت دے دی تو شہزادی لڑکیوں کو ساتھ لے کر چل دی۔ اُنہوں نے گھوڑے تیّار کیے اور سوار ہو کر اُس شہزادے کی طرف روانہ ہو گئیں۔ جو اب بادشاہ بن چُکا تھا۔ جو کبھی شہزادی پر دِل و جان سے فِدا تھا اور جسے شہزادی اب بھی بے انتہا چاہتی تھی۔

بارہ لڑکیاں جب بارہ ہم شکل نوجوانوں کے روپ میں اُس شہر میں پہنچیں

تو جو اور اِن میں وہ شہزادی بھی شامل ہے جس کے لیے کبھی وہ دِن رات بے قرار رہتا تھا۔ وہ تو یہی دیکھ رہا تھا کہ بارہ ہم شکل شکاری نوجوان اُس کے سامنے کھڑے ہیں۔ اُس نے اُسی وقت حکم دیا:

”آج سے یہ بارہ نوجوان شاہی شکاری ہوں گے۔“

اور اِس طرح شہزادی اور دوسری گیارہ لڑکیاں شاہی شکاریوں کی حیثیت سے دربار سے وابستہ ہو گئیں۔

دِن گُزرتے گئے اور اِس طرح کافی عرصہ گُزر گیا۔ بادشاہ جب بھی شکار کے لیے جاتا تو بارہ کے بارہ ہم شکل شکاری اُس کے ساتھ ہوتے۔ بادشاہ اُن کو ہمیشہ اپنے ہمراہ لے کر جاتا تھا اور اِس طرح اب وہ اُنہیں اور زیادہ چاہنے لگا تھا۔ ایک بادشاہ ہی کیا، دربار کا ہر شخص اُن کی بڑی عزّت کرتا تھا اِس لیے بھی کہ وہ بادشاہ کے خاص مصاحبوں میں سے تھے۔

ایک بار ہوا یہ کہ بادشاہ اپنے اِن پسندیدہ شکاریوں کے ہمراہ شکار پر گیا ہوا تھا۔ سب جنگل میں شکار میں مصروف تھے، اِتنے میں اطلاع ملی کہ بادشاہ کی منگیتر شہزادی آرہی ہے۔ یہ خبر سُنتے ہی بادشاہ نے شکار بند کر دیا اور بولا:

''واپسی کی تیّاری کی جائے۔ ہماری منگیتر آرہی ہے۔ ہمیں اُس کا استقبال کرنا ہے۔''

جوں ہی اِس بات کا عِلم شکاری لباس میں ملبوس شہزادی کو ہوا، اُس کا دِل دھک سے رہ گیا۔ اُسے اِس خبر سے اِس قدر دُکھ ہوا کہ نڈھال ہو کر چکرا سی گئی اور بے ہوش ہو کر زمین پر ِگر پڑی۔ بادشاہ نے اُسے اِس طرح اچانک زمین پر ِگرتے دیکھا تو سمجھا کہ میرا شکاری کسی حادثے سے دوچار ہو گیا ہے۔ وہ جلدی سے اپنے گھوڑے سے اُترا اور زمین پر ِگری ہوئی شہزادی کو سہارا دینے کے لیے آگے بڑھا۔ شہزادی اِس وقت بے

ہوش تھی۔ بادشاہ نے اُسے ہوش میں لانے کی کوشش میں اُس کے دستانے اُتار دیے تاکہ ہاتھوں کو ہوا لگے۔

مگر یہ کیا؟

جیسے ہی اُس نے اُس کے دستانے اُتارے، وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ شہزادی کی اُنگلی میں پہنی ہوئی انگوٹھی نے اُسے بہت کُچھ یاد دِلایا تھا۔ وہ اپنی دی ہوئی انگوٹھی کو ہکّا بکّا ہو کر یُوں دیکھ رہا تھا جیسے اُس پر کسی نے جادُو کر دیا ہو۔ اُس نے غور سے شہزادی کے چہرے کی طرف دیکھا تو اُسے پہچان گیا۔

"میں اِسے پہلے کیوں نہ پہچان سکا؟"

اُس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔ اِس وقت اُس کا دِل بُری طرح دھڑک رہا تھا اور اپنا عہد پورا نہ کرنے پر شرمندہ بھی ہو رہا تھا۔ وہ جلدی

جلدی شہزادی کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔ کُچھ دیر بعد جب شہزادی نے آنکھیں کھولیں تو وہ ندامت سے بولا۔

"پیاری شہزادی، میں تُم سے شرمندہ ہوں کہ میں نے تُم سے کیا ہوا وعدہ فراموش کر دیا تھا۔"

جواب میں شہزادی نے مُسکرا کر اُس کی طرف دیکھا تو اُس نے اُسے بازوؤں میں لیتے ہوئے کہا:

"اب تُم میری ہو اور میں تمہارا ہوں۔ ہمیشہ کے لیے۔ اب ہم دونوں کو کوئی ایک دوسرے سے جُدا نہ کر سکے گا۔"

اِس کے بعد اُس نے فوری طور پر ایک شاہی ہرکارے کو آنے والی شہزادی کی طرف روانہ کیا اور پیغام دیا۔

"شہزادی! تُم اپنے مُلک واپس چلی جاؤ کیوں کہ پہلے ہی سے میری ایک

بیوی موجود ہے۔ جِس آدمی کو پرانی چابی مل جائے اُسے نئی چابی کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔"

اور پھر چند ہی روز میں بڑی دھوم دھام سے بادشاہ کی شہزادی سے شادی ہوگئی جس کا مُلک بھر میں جشن منایا گیا۔